ماہنامہ
ذکریٰ جدید
اگست ۲۰۰۴ء
مدیر اعلیٰ
محمد یوسف اصلاحی

ذلک ذکریٰ للذاکرین

ماہنامہ

ذکریٰ جدید

مدیر اعلیٰ

محمد یوسف اصلاحی

معاون مدیران

سعید اختر خان

سلمان اسعد

اگست ۲۰۰۴ء

م

جمادی الثانی، رجب ۱۴۲۵ھ

جلد: ۱ شمارہ: ۵

قیمت : ۱۵ روپے Rs. 15/-

ماہنامہ ذکریٰ جدید

۵۱-اے، جوہری فارم، جامعہ نگر، نئی دہلی - ۱۱۰۰۲۵

ٹیلی فیکس: ۹۱-۱۱-۲۶۳۱۵۰۲۸

Monthly ZIKRA Jadeed

51-A, 3rd Floor, Johri Farm, Jamia Nagar, New Delhi -110025 (India)

Telefax: 91-11-26315028 e-mail : zikra@israonweb.com

نرخنامہ

ماہنامہ ذکریٰ جدید

ایک شمارے کی قیمت	15/-
سالانہ زرتعاون	175/-
لائف ممبر سے (کم از کم)	5000/-

بیرونی ممالک سے

ہوائی ڈاک سے سالانہ زرتعاون	20 ڈالر
لائف ممبر	1000 ڈالر
سعودی عرب، کویت، امارات سے	20 ڈالر یا 80 سعودی ریال

ڈرافٹ پر صرف اتنا لکھیں
(منتھلی ذکریٰ)

MONTHLY ZIKRA
اسپیلنگ کا خاص طور پر خیال رکھیں

اس دائرے میں سرخ نشان کا مطلب ہے کہ آپ کا سالانہ زرتعاون ختم ہو رہا ہے، لہٰذا اولین فرصت میں اگلے سال کا زرتعاون مبلغ -/175 روپے بذریعہ منی آرڈر جلد ارسال فرمائیں، (منی آرڈر فارم منسلک ہے)۔ اگر خدانخواستہ رسالہ جاری نہ رکھنا ہو تو ممانعت کا خط فوراً لکھیے، ورنہ اگلا شمارہ مبلغ -/205 روپے کی وی۔ پی سے روانہ کیا جائے گا اور خواہ مخواہ آپ کو -/30 روپے زائد برداشت کرنے پڑیں گے۔ بہتر یہی ہے کہ زرتعاون منی آرڈر سے ہی روانہ فرمائیں اور -/30 روپے کی بچت کریں۔

اللہ کے نزدیک پسندیدہ عمل

عن ابن مسعودؓ قال سألت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ای الاعمال احب الی اللہ؟ قال الصلوٰۃ علےٰ وقتھا قلت ثم ایَ؟ قال برالوالدین قلت ثم ایَ قال ثم الجھاد فی سبیل اللہ

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے، فرماتے ہیں میں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا اللہ کے نزدیک کون سا عمل سب سے زیادہ محبوب ہے ارشاد فرمایا، نماز کو وقت پر ادا کرنا، میں نے عرض کیا پھر کون سا عمل؟ ارشاد فرمایا ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کرنا، میں نے عرض کیا، پھر کونسا عمل پسندیدہ تر ہے؟ فرمایا، جہاد فی سبیل اللہ۔

محترم قارئین! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

ذکریٰ جدید آپ کے ہاتھوں میں ہے، پچھلے تین ماہ ذکریٰ (رامپور) آپ کی خدمت میں نہیں پہنچ سکا جسکا ہمیں افسوس ہے، لیکن ذکریٰ جدید کے لیے آپ کی مدت خریداری میں تین ماہ کا اضافہ کر کے ہم اس کی تلافی بھی کر رہے ہیں اور آپ کی شکایت کا ازالہ بھی، یعنی اگر کسی خریدار کی مدت خریداری اگست کے شمارے کے ساتھ ختم ہو رہی تھی تو وہ اب نومبر میں ختم ہوگی۔ امید ہے کہ آپ کو یہ فیصلہ پسند آئے گا۔ آپ کے تعاون اور حوصلہ افزائی کا ہمیں برابر انتظار رہے گا۔

والسلام معاون مدیر

ماہنامہ ذکریٰ جدید

اگست ۲۰۰۴ء

خواتین کے خصوصی صفحات

مالک، ایڈیٹر، پرنٹر اور پبلشر محمد یوسف اصلاحی نے دانشمند آفسٹ پرنٹرس، ۲۹۶۳، گلی تل والی، شاہ گنج، دہلی۔۶ سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ ذکریٰ جدید ۵۱۔اے، تیسری منزل، جوہری فارم، جامعہ نگر، نئی دہلی۔۲۵ سے شائع کیا۔

اپنی باتیں

اکتوبر ۱۹۷۲ء میں آج سے تقریباً ۳۴ سال پہلے ذکریٰ کا پہلا شمارہ منظر عام پر آیا تھا، کچھ قدرداں تو وہ تھے جنھوں نے اسے ہاتھوں ہاتھ لیا۔ دل سے پذیرائی کی، حوصلہ افزائی کے خطوط لکھے، تعاون کے وعدے کئے اور دلی دعاؤں سے نواز کر ہمیں استقامت بخشی، کچھ احباب وہ بھی تھے جو اس میدان کی دشواریوں اور رکاوٹوں کا تجربہ رکھتے تھے، انھوں نے ہمارے اٹھتے ہوئے قدم روکنے کی کوشش کی، ہوسکتا ہے اس میں بھی اخلاص ہو اور اپنے تجربات کی روشنی میں ان کے نزدیک خیرخواہی بھی ہو، مگر اللہ کے بھروسے ہم نے ہمت نہ ہاری، ڈٹے رہے، اور الحمدللہ نہایت پابندی اور التزام کے ساتھ رسالہ برابر جاری رہا، سخت سے سخت حالات میں بھی ہم نے کوشش کی کہ پابندی سے ہر ماہ رسالہ شائع ہوتا رہے، ایمرجنسی کے حالات میں بھی اللہ کا شکر ہے کہ رسالہ بند نہ ہوا، ہزار پابندیوں اور زحمتوں کے باوجود رسالہ برابر نکلتا رہا، ہر طبقہ میں شوق کے ساتھ پڑھا جاتا رہا، اور شائقین کے خطوط سے اندازہ ہوتا رہا کہ وہ ہر ماہ دن گنتے تھے اور اس کے انتظار میں رہتے تھے، دراصل قدردان و شائقین کا یہ شوق و انتظار ہی ہمارے حوصلے بڑھاتا رہا اور ذکریٰ آب و تاب کے ساتھ نکلتا رہا۔

ادھر چند سالوں سے غیر معمولی ذمہ داریوں، اسفار، جامعۃ الصالحات اور مرکزی درس گاہ کی مصروفیات کا بار اس قدر بڑھ گیا کہ میں خاطر خواہ وقت دینے کی پوزیشن میں نہ رہا تو فرزند عزیز سلمان اسعد سلمہ اللہ نے یہ ذمہ داری اپنے سر لی اور دہلی میں رہتے ہوئے کئی سال سے یہ کام نہایت سنجیدگی، تن دہی اور ذوق و شوق سے انجام دیتے رہے۔ لیکن آخر کار ہم نے یہ فیصلہ کیا کہ ذکریٰ (رام پور) بند کردیا جائے، تین ماہ سے ذکریٰ (رام پور) بند ہے، لیکن انشاءاللہ یہ سلسلۂ زرین بند نہ ہوگا۔

خوشخبری یہ ہے کہ ذکریٰ جدید دہلی تازہ حوصلوں، نئی امنگوں اور نہایت آب و تاب کے ساتھ آپ کی خدمت میں پیش ہو رہا ہے، اور انشاءاللہ یہ پہلے سے زیادہ مفید، اثر انگیز، معلومات سے لبریز، ہر پہلو سے جامع ہوگا، اور ظاہر و باطن ہر لحاظ سے آپ اس کو قابل پذیرائی پائیں گے، سوال و جواب، درس قرآن، درس حدیث، اور اس کے اپنے انداز کے مخصوص ادارے وغیرہ جن کا بے چینی سے انتظار رہتا تھا، انشاءاللہ ان کا پورا اہتمام کیا جائے گا، اللہ ہماری مدد فرمائے، میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل خاص سے سلمان اسعد سلمہ کو صحت کاملہ مستمرہ سے نوازے اور رسالے کو ماضی کی شان و آن کے ساتھ نکالتے رہنے کی توفیق بخشے، آمین۔

محمد یوسف اصلاحی

آغاز کلام
محمد یوسف اصلاحی

منشور اسلامی کی چودہ دفعات

قسط ۱۶

مدیر محترم کا یہ سلسلہ وار مضمون پچھلی اشاعتوں میں شامل نہ ہو سکا۔ اب یہ سلسلہ دوبارہ شروع کیا جا رہا ہے۔ ربط کے لیے ملاحظہ فرمائیں ذکریٰ (رامپور) ماہ دسمبر ۲۰۰۳ء (مرتب)

دفعہ ۸

زنا کے قریب بھی نہ پھٹکو

وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنَا اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَّسَآءَ سَبِيْلًا ○ (بنی اسرائیل ۳۲)

''اور زنا کے قریب بھی نہ پھٹکو، یہ کھلی ہوئی بے حیائی ہے اور بہت ہی برا راستہ''۔

دفعہ ۸ سے منہیات کا بیان شروع ہو رہا ہے۔ اللہ کے احکام کی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ افعال جن کے کرنے اور جن پر کاربند رہنے کا حکم دیا گیا ہے، ان کو اوامر کہتے ہیں۔ دوسرے وہ ہیں جن سے بچنے اور جن کے نہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے ان کو نواہی یا منہیات کہتے ہیں۔ وہ امور اور بھلائیاں جو سرتاسر حق ہیں اور جن کو ہمیشہ بھلائی سمجھا گیا ہے، عقل و فطرت نے بھی جن کا بھلا ہونا تسلیم کیا ہے اور اللہ نے بھی ان کو حق اور بھلائی قرار دے کر ان کے کرنے کا حکم دیا ہے، ان کو شریعت اسلامی کی زبان میں اوامر کہتے ہیں۔ اس کے برخلاف وہ امور اور برائیاں جن کو ہمیشہ سے ناحق اور برا سمجھا جاتا رہا ہے، عقل و فطرت بھی ان کو برا اور شر سمجھتی رہی ہے اور اللہ کی کتاب نے بھی جن کو ناحق اور برا قرار دے کر ان سے باز رہنے اور بچنے کی تاکید کی ہے۔ شریعت کی زبان میں ان کو نواہی یا منہیات کہتے ہیں۔

منشور کی دفعات میں بیان کردہ اوامر اور نواہی کی اصل اور اساس سورہ نحل کی آیت ۹۰ ہے، جو

• سورۂ اسرا سے پہلے مکے ہی میں نازل ہوئی تھی، جس میں قرآنی اوامر ونواہی کی اساسات کو سمیٹ کر نہایت جامع انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ اللہ کا ارشاد ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَ اِيْتَائِ ذِالْقُرْبٰى وَ يَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ وَ الْبَغْيِ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ O (سورہ النحل ۹۰)

"اللہ تعالیٰ، عدل، احسان اور صلہ رحمی کا حکم دیتا ہے اور بے حیائی، برائی اور ظلم وزیادتی سے روکتا ہے۔ اللہ تمھیں نصیحت کرتا ہے، تاکہ تم سبق لو"۔

اوامر ونواہی کی اساسات

شریعت اسلامی کے تمام اوامر کی اساس تین بنیادی قدروں پر ہے۔ عدل، احسان اور صلہ رحمی۔ اس طرح نواحی کی اساس بھی تین قطعی اور اصولی برائیوں پر ہے، فحشا، منکر اور بغی۔
شریعت اسلامی کے تمام اوامر میں عدل، احسان اور صلۂ رحمی کی روح، خیر وصلاح پائی جاتی ہے اور اسی طرح منہیات میں فحشا، منکر اور بغی کی روحِ شر وفساد پائی جاتی ہے۔ اس عظیم آیت میں اعمالِ حسنہ اور فضائل اخلاق کی بنیادی قدروں کو اور اعمالِ بد اور رذائل اخلاق کی قطعی اور اصولی بنیادوں کو نہایت خوبی سے سمیٹ دیا گیا ہے۔ یہ قرآن کی جامع ترین اور عظیم ترین آیت ہے اسی لیے ہمیشہ سے ہر ملک کے خطیب بالعموم جمعے کے خطبے میں اسی آیت پر خطبے کا اختتام کرتے ہیں۔ قرآنی اوامر جو عدل، احسان اور صلۂ رحمی کے تحت آتے ہیں ان کا ذکر ہو چکا، اب دفعہ ۸ سے ان منہیات کا ذکر ہے جو فحشاء، منکر اور بغی کے تحت آتی ہیں۔

اوامر میں استطاعت کا لحاظ

اوامر کی تعمیل اور نواہی سے اجتناب میں قرآن وسنت نے ایک فرق ملحوظ رکھا ہے، جس کی بنیاد اللہ کی حکمت اور رحمت پر ہے وہ یہ کہ اوامر کی تعمیل میں تو بندے کو بقدر استطاعت مکلف قرار دیا گیا ہے۔ لیکن منہیات سے اجتناب میں قطعی طور پر باز رہنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اگر ہم غور کریں تو

عقلاً بھی منہیات میں استطاعت کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔ استطاعت کی ضرورت کچھ کرنے کے لیے ہوتی، کچھ نہ کرنے اور باز رہنے کے لیے قوت و استطاعت کی ضرورت نہیں ہوتی۔ منہیات میں مطلوب یہ ہے کہ بندہ قطعی طور پر ان سے باز رہے، اور کسی درجے میں ان میں ملوث نہ ہو، بلکہ اُن داعیات، محرکات اور مشتبہ حرکات سے بھی دور رہے جو منہیات اور جرائم کی طرف لے جانے والی، ان کے لیے مواقع فراہم کرنے والی اور جذبات میں ہیجان پیدا کر کے گناہ کی راہ ہموار کرنے والی ہوں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ فاتقوا اللّٰہ ما استطعتم پس تم اللہ کا تقویٰ اختیار کرو جس قدر تم میں استطاعت ہو۔

استطاعت کے بقدر مکلف قرار دے کر ایک طرف تو اللہ نے اپنے ان کمزور بندوں پر رحم و کرم کے دروازے کھول دیئے ہیں جو عزمیت پر عمل کرنے میں کسی قدر حوصلے کی کمی پاتے ہیں۔ مگر اپنے بس بھر اوامر کی تعمیل کرتے ہیں، اور اطاعت گذار رہتے ہیں، اللہ انھیں اپنی رحمت سے مایوس نہیں کرتا، ان سے بقدر استطاعت و مقدرت عمل کا مطالبہ کرتا ہے اور ان کو فرمانبردار بندوں میں شامل رہنے کا موقع فراہم کرتا ہے، تا کہ وہ اللہ کی رحمت سے ہرگز مایوس نہ ہوں۔ وہ اپنی سی جو کوشش اور کاوش بھی احکام الٰہی بجالانے میں کریں گے اللہ تعالیٰ اس کو شرف قبول بخشے گا اور ان لوگوں کو اپنے اطاعت گزار بندوں میں شامل رکھے گا بلاشبہ اللہ کی رحمت بہت وسیع ہے۔

دوسری طرف استطاعت کے اس معنی خیز لفظ میں اللہ تعالیٰ نے بندے کے لیے ترغیب تشویق اور تحریض کا سامان بھی کیا ہے کہ اللہ کا مخلص اور وفادار بندہ کسی مرحلے میں بھی ہمت نہ ہارے بلکہ عزم و حوصلے سے کام لے کر اطاعت و فرمانبرداری کے اعلیٰ سے اعلیٰ مقام پر فائز ہونے کی کوشش کرے۔ استطاعت کے بقدر مکلف قرار دینے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ آدمی کسی مشقت کے بغیر بسہولت جو کچھ کر سکے اسی پر قناعت کرے اور اپنی استطاعت کا امتحان نہ لے۔

بلاشبہ استطاعت کی رعایت میں اللہ کی یہ رحمت و حکمت تو ضرور ملحوظ ہے کہ بندہ اپنے بس بھر جو کچھ اور جتنا کچھ بھی عمل صالح کر سکے گا اس کو اللہ قبول فرمائے گا اور ایسا بندہ وفا شعاروں اور اطاعت گزاروں میں شامل رہے گا اور ناکام و نامراد نہ ہوگا، لیکن یہ بات بھی پیش نظر رہنا چاہیے

کہ استطاعت کا ذکر کر کے اللہ نے بندے کے قوت عمل اور حوصلۂ ایمانی کو چیلنج کیا ہے کہ بندہ وفا شعاری اور فرمانبرداری میں کسی حد تک آگے جانے کی ہمت کرتا ہے۔ اس کا حوصلہ اُسے کسی مقام تک پہنچاتا ہے اور اس راہ کے رہ نوردوں نے اپنی وفا شعاری اور جاں نثاری کے جونمونے چھوڑے ہیں، ان کو نگاہ میں رکھ کر ایک بندۂ مومن اپنی مقدرت اور استطاعت کو جانچنے کے لیے کیا کچھ کرتا ہے اور کس مقام رفیع تک پہنچنے کا حوصلہ دکھاتا ہے۔

استطاعت کے اس لفظ ہی سے علماء اصول فقہ نے عزیمت و رخصت کی دو اصطلاحیں وضع کی ہیں۔ رخصت پر عمل کرنے والے اطاعت گزاروں کی بھی ناقدری نہیں کی گئی ہے، لیکن اصحاب عزیمت تو اصحاب عزیمت ہی ہیں۔ قرآن نے ان مقرب بندوں کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے۔ والسابقون السابقون ۝ اولٰئِکَ المقربون (الواقعہ ۱۰،۱۱) اور سبقت لے جانے والے تو سبقت لے جانے والے ہیں (ان کے کیا کہنے) یہی ہیں (اللہ کے) مقرب بندے۔

تقویٰ کا مفہوم

استطاعت بھر تقویٰ اختیار کرنے سے قرآن کی مراد کیا ہے اس کو پانے کے لیے ضروری ہے کہ ہم پہلے تقویٰ کا مفہوم سمجھیں۔ انسان جب اپنے رب کی بے پناہ نعمتوں اور بے پایاں کرم فرمائیوں اور نوازشوں کا تصور کرتا ہے تو اس کے دل میں اپنے رب سے محبت کے والہانہ جذبات جوش مارنے لگتے ہیں اور وہ اپنے رب کو خوش رکھنے کے لیے دل و جان سے اس کا احکام کی اتباع میں لگ جاتا ہے ساتھ ہی اسے ہر وقت یہ خوف پریشان رکھتا ہے کہ میرا مہربان رب کسی لمحے مجھ سے ناراض نہ ہو جائے۔ اسی پُر جوش محبت اور پریشاں کن خوف کی ملی جلی کیفیت قلبی کا نام تقویٰ ہے۔ محبت الٰہی آدمی کو اللہ کے احکام پر عمل پیرا رہنے کے لیے بے چین رکھتی ہے اور خوف الٰہی آدمی کو برائیوں سے بیزار رکھتا ہے۔ یہی محبت و خوف تقویٰ کی اساس ہے، اسی سے مومن کی زندگی میں دلکشی اور رعنائی پیدا ہوتی ہے اور جس دل میں اللہ کی محبت اور خوف کا یہ جوہر نہ ہو اُسے اللہ کے رسول نے ویران تنندر کہا ہے، اس لیے کہ تقویٰ ہی کردار کا وہ جوہر ہے جو انسان کو فضائل

اخلاق کی اعلیٰ سے اعلیٰ مدارج پر فائز ہونے اور تقرب الٰہی کا اعلیٰ مرتبہ پانے کے لیے ہمہ دم سرگرم اور کوشاں رکھتا ہے، تقویٰ اختیار کرنے میں استطاعت کی شرط اس لیے بھی ہے کہ فرمانبردار بندے کسی مرحلے میں احساس محرومی کا شکار نہ ہوں اور اس لیے بھی ہے کہ دیکھیں بندے کس مقامِ ارفع تک پہنچنے کا حوصلہ کرتے ہیں۔

تقویٰ کا بلند ترین معیار

کوشش وکاوش کے اس میدان میں تقویٰ کا وہ ممتاز مقام اور اعلیٰ معیار جس تک ہر مومن کو پہنچنے کی کوشش برابر کرتے رہنا ہے قرآن کے الفاظ میں یہ ہے۔

یا ایها الذین اٰمنوا اتقوا اللّٰه حق تُقٰتِهٖ (آل عمران ۱۰۲)

''اے ایمان والو! اللہ کا تقویٰ اختیار کرو جیسا کہ اس کا حق ہے''۔

یہ وہ مقام بلند ہے کہ زندگی بھر کوشش کرتے رہنے کے بعد بھی یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اللہ کا تقویٰ اختیار کرنے کا حق ادا ہو گیا۔ بقول غالبؔ

جان دی، دی ہوئی اُسی کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

تقویٰ کے سب سے بلند مقام پر فائز ہستی نے بھی یہ نہ کہا کہ میں نے حق ادا کر دیا، بلکہ فرمایا:

مَاعَرَفْنَاکَ حق معرفتك وما عبدناك حق عبادتك،

میں تیری معرفت میں وہاں تک نہ پہنچ سکا جو تیری معرفت کا حق ہے اور میں تیری عبادت میں اس مقام تک نہ پہنچ سکا جو تیری عبادت کا حق ہے یہ اعتراف اس عظیم ہستی کا ہے جو سارے جہاں کا رہبر و ہادی اور اسی ہستی کی یہ آرزو کس قدر ایمان افروز ہے۔

''لَوَدِدْتُ اَنْ اُقْتَلَ فِی سبیلِ اللّٰه''۔

میری آرزو ہے کہ میں اللہ کی راہ میں مارا جاؤں''

مگر ایک بار نہیں،

"ثم اُحیا ثم اُقتل ثم اُحیا ثم اقتل"۔

"پھر زندہ کیا جاؤں اور پھر مارا جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں اور پھر مارا جاؤں"۔

یہ ایمان کو گرمانے والے الفاظ وہی ہستی ادا کرسکتی ہے جو اللہ کی راہ میں جان سپاری اور وفا شعاری کی لذت شناس ہو اور اسی کو زیب دیتا ہے کہ وہ کہے.... میں تیری بندگی کا حق ادا نہ کرسکا۔

ہر ایک بقدر مقدرت ہی مکلّف ہے

سورہ بقرہ کی آخری آیت میں اللہ تعالیٰ نے ایک اصولی ضابطہ بیان کر کے اپنے کمزور بندوں کو مطمئن کیا ہے کہ اطاعت گزار بندوں میں شامل رہنے کے لیے ان پر جو ذمہ داریاں ڈالی گئی ہیں اور جن باتوں کا پابند کیا گیا ہے وہ ان کی مقدرت اور استطاعت سے زیادہ نہیں ہیں اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کسی متنفس کو بھی اس کی قوت برداشت سے زیادہ کا مکلّف قرار نہیں دیا اور کسی پر ایسا بوجھ نہیں ڈالتا جو اس کے برداشت سے باہر ہو، اللہ کا ارشاد ہے۔

لاَ یکلف اللّٰہ نفسا الا وسعھا (البقرہ آیت ۲۸۶)

"اللہ نے کسی نفس کو اس کا وسعت و مقدرت سے زیادہ کا مکلّف قرار نہیں دیا ہے"

اس کا مفہوم یہ بھی ہے کہ ہر ذمہ داری کو شعور کے ساتھ ادا کرو، اور ہر حکم کی پوری پوری پابندی کرو۔ کسی حکم کو یہ نہ سمجھو کہ اللہ نے تم پر ناقابل برداشت بوجھ ڈال دیا ہے۔ اللہ تمھارا خالق ہے وہ تمھاری کمزوریوں سے بھی بخوبی واقف ہے اور تمھاری قوت برداشت کا بھی اس کو پورا پورا علم ہے اس لیے دین کی پابندیوں کو ہرگز یہ نہ سمجھو کہ وہ تمھاری مقدرت اور وسعت سے زیادہ ہیں، اس لیے کہ خالق کو تمھاری مقدرت اور قوت برداشت کا کامل علم ہے، اور وہ کسی کو اس کی وسعت اور مقدرت سے زیادہ کا مکلّف نہیں قرار دیتا۔

اور اس کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ نے ہر متنفس کو اس کی وسعت و مقدرت کے بقدر ہی مکلّف قرار دیتا ہے۔ اس لیے ہر بندہ اپنی مقدرت اور استطاعت کے بقدر اطاعت گزاری اور احکام دین کی پابندی کرے اور اللہ سے پُر امید رہے، ہرگز مایوس نہ ہو، اللہ کسی عمل کرنے والے کی ناقدری نہیں

کرتا وہ نہایت کریم اور بے پناہ رحم کرنے والا ہے، کسی کو اس کی وسعت سے زیادہ مکلّف نہیں بناتا۔ حضورؐ کا ارشاد ہے:

مَانهيتكم عنه فَاجْتَنِبُوهُ وَمَا امرتكم به فَاتُوامنه ما استطعتم (بخاری، مسلم، عن ابی ہریرہؓ)

''جن چیزوں سے میں نے تمھیں روکا ہے اس سے رک جاؤ، اور جن چیزوں کا میں نے تمھیں حکم دیا ہے ان پر اپنی استطاعت بھر عمل کرو''۔

یعنی اللہ کے رسول نے برائیوں سے تو قطعی طور پر روک دیا ہے، اور اس میں ذرہ بھر بھی نرمی یا ڈھیل کی اجازت نہیں دی ہے اور اس میں زبردست دینی حکمت ہے۔ لیکن اوامر اور فضائل اخلاق کی پابندی اور تعمیل میں بقدر استطاعت ہی مطالبہ ہے کہ جس قدر ہو سکے انسان عمل میں جان بوجھ کر کوتاہی نہ کرے، اور اپنی استطاعت بھر اطاعت گزاری کرتا رہے اللہ تعالیٰ اس کی کوششوں کو رائیگاں نہیں فرمائے گا۔

منہیات میں استطاعت کی رعایت نہ دینے کی حکمت

اوامر کی تعمیل اور تکمیل کرنے والا بندہ گویا سعادت اور اطاعت گزاری کی بلندیوں پر چڑھ رہا ہے اور بلند سے بلند تر مرحلے پر فائز ہو رہا ہے۔ وہ جس مرحلے میں بھی ہے سعادت اور بلندی ہی کے مرحلے میں ہے۔ اس لیے اوامر کی تعمیل میں استطاعت کے معنی یہ ہیں کہ بندہ احکام الٰہی کی اطاعت میں جس منزل پر بھی ہے وہ فرمانبردار ہے اور فرمانبردار بندوں میں شامل ہے۔ اس کی یہ حیثیت مسلّم ہے کہ وہ فرمانبرداری کی راہ پر گامزن ہے۔ بے شک وہ بہت اعلیٰ اور ممتاز مقام پر نہیں ہے لیکن جس مقام پر بھی ہے۔ وہ اطاعت گزاری اور دینداری کی منزل ہے اور وہ سعادت کی بلند ترین چوٹی پر پہنچانے والی راہ پر گامزن ہے۔

اس کے برخلاف منہیات کی طرف ایک قدم بھی بڑھانا گو شقاوت اور نافرنی کے گہرے کھڈ کی طرف قدم بڑھانا ہے اور دوسرا قدم اٹھاتے ہی اس گہرے کھڈ میں گرنے اور گرتے چلے

جانے کے مرادف ہے، برائی کی طرف رُخ کرنا، گویا سعادت کے اس کنارے پر آنا ہے، جس کے بعد شقاوت کا گڑھا ہے جونہی انسان نے گڑھے کی طرف قدم بڑھایا وہ نیچے آرہا اور اب یہ یقینی ہے کہ وہ اس گندگی کی دلدل میں پھنستا ہی چلا جائے گا اور غلاظت کے گڑھے میں نیچے اور نیچے گرتا ہی جائے گا، اور منہیات کی طرف اس کا پہلا قدم ہی نافرمانی، شقاوت اور گناہ کا قدم ہوگا۔ اب نافرمانی کی جس منزل میں بھی ہوگا نافرمانی ہی سمجھا جائے گا، اور نافرمانوں میں ہی کہی بلکہ یکقلم گناہ سے رک جانے اور باز رہنے کا حکم دیا۔

منہیات کے باب میں بدترین گناہ

منہیات کے باب میں زنا بدترین گناہ ہے۔ زنا کا عام مفہوم جس سے انسانی سوسائٹی کا ہر فرد واقف ہے یہ ہے کہ ایک مرد اور عورت جن کے درمیان شوہر اور بیوی ہونے کا جائز رشتہ نہ ہو، وہ ناجائز طور پر جنسی ملاپ کا ارتکاب کریں، فعل اخلاقی اعتبار سے بھی انتہائی گھناؤنا ہے، مذہبی اعتبار سے بھی سخت گناہ ہے اور سماجی اعتبار سے بھی انتہائی معیوب ذلیل حرکت ہے، انسانی سماج نے ہمیشہ اس سے نفرت کی ہے اور کبھی اسے گوارا نہیں کیا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ اس کے مکروہ اثرات اور مذموم نتائج اس قدر تباہ کن باعث ذلت اور دوررس ہیں کہ اس سے صالح سماج کا پورا ڈھانچہ ٹوٹ پھوٹ جاتا ہے اور اس کے تمام خد و خال تہس نہس ہو جاتے ہیں۔ زنا، پاکیزہ انسانی معاشرے کی جڑ پر کلہارا مارنے والی اور انسانی عظمت کی قدروں کو پامال کرنے والے بدترین سماجی برائی اور سخت ترین گناہ ہے۔

اسلامی منشور جس مثالی اور انقلابی معاشرے کی تشکیل و تعمیر چاہتا ہے وہ اسی وقت وجود میں آسکتا ہے۔ جب وہ زنا جیسے گناہ سے قطعی طور پر پاک ہو اسی لیے قرآن نے زنا کی حرمت بیان کرتے ہوئے سادہ انداز میں یہ نہیں کہا ہے کہ زنا نہ کرو، بلکہ بہت مؤثر اسلوب اور زوردار الفاظ میں ارشاد فرمایا۔ ''زنا کے قریب بھی نہ پھٹکو''۔ مطلب یہ ہے کہ ان تمام محرکات، دواعی مقدمات اور وسائل و ذرائع سے بھی دور رہو جو جذبات میں ہیجان پیدا کرنے والے، زنا پر اُکسانے

والے، اور زنا کے مواقع فراہم کرنے والے ہوں، انسانی سماج کو زنا سے پاک رکھنے کے لیے ناگزیر ہے کہ ایک طرف تو ذہن وقلب کی اصلاح اور تطہیر کے لیے تعلیم وتربیت تذکیر وتفہیم کا پورا اہتمام کیا جائے اور دوسری طرف ان تمام محرکات اور وسائل وذرائع پر بھی قانونی پابندی لگائی جائے جو جنسی جذبات کو بھڑکانے والے اور بے حیائی پھیلانے والے ہوں۔ ہر چند کہ حرمت زنا کی دوفطری دلیلیں زنا کی قباحت وشناعت کو واضح کرنے کے لیے منطقی دلائل اور فلسفیانہ بحث و تمحیص کی قطعاً ضرورت نہیں ہے اس لیے کہ یہ انسانی فطرت کی جانی پہچانی اور مسلّم، قابلِ نفرت بُرائی ہے۔ تاہم قلبی اطمینان اور شرح صدر کے لیے قرآن نے اس کی گندگی اور دوررس قبیح نتائج واضح کرتے ہوئے دوایسی دلیلیں دی ہیں جنھیں انسانی فطرت بلا تامل قبول کرلیتی ہے۔ فرمایا:

انه کان فاحشة "بلاشبہ یہ کھلی ہوئی بے حیائی ہے"

یہ پہلی دلیل ہے، دراصل بے حیائی وہ قابل نفرت بُرائی ہے جس کو انسانی معاشرے نے کبھی گوارا نہیں کیا ہے، ہر دور میں انسانی معاشرے نے اس کو نہایت بُرا اور قابل نفرت سمجھا ہے۔ بے حیا انسان ہمیشہ ذلت اور بیزاری سے دیکھا گیا ہے اور شرم وحیا کو ہمیشہ سے انسان کے لیے اعلیٰ اخلاقی جوہر سمجھا گیا ہے۔ حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کا بیان ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ان مماادرك الناس من كلام النبوّة الاولىٰ "اذالم تستح فاصنع ماشئت"

"گذشتہ نبوت کے کلاموں میں سے جو (حکیمانہ کلام) لوگوں نے پایا ہے وہ یہ ہے۔" جب تم میں شرم نہ رہے تو جو چاہو کرو" (تم سے خیر کی کوئی توقع نہیں ہے)

حقیقت یہ ہے کہ یہ حکمت بھرا مقولہ اذالم تستح فاصنع ماشئت، نبوت کی اعلیٰ تعلیمات کا نچوڑ اور جوہر ہے اور انسانی تہذیب کا سرچشمہ ہے اور اسی مفہوم میں فارسی زبان کا یہ مقولہ بہت مشہور اور زبان زد خاص وعام ہے.... "بے حیا باش وہر چہ خواہی کن"۔

ہر نبی نے اپنی امت کو شرم وحیا کی تعلیم دی ہے۔ انسان کو اگر اللہ کی شرم ہی نہ ہو تو پھر وہ انسان ہی نہیں رہتا اس لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تو حیا ہی کو ایمان کہا ہے، اور فرمایا ہے حیا اور

ایمان ایک دوسرے کے ساتھی ہیں اور ساتھ ساتھ رہتے ہیں، جب ان دونوں میں سے کوئی ایک اٹھالیا جاتا ہے تو دوسرا بھی اٹھالیا جاتا ہے۔ (البیہقی) بلکہ ایک موقع پر تو اللہ کے رسولؐ نے فرمایا: ان لکل دین خلقا و خلق الاسلام الحیاء (ابن ماجہ۔ زید بن طلحہ) ہر دین میں ایک امتیازی وصف اور اخلاق ہوتا ہے اسلام کا امتیازی وصف اور خُلق ''حیا'' ہے۔

اسلام میں اخلاقیات کا اصل جوہر اور مدار اور فضائل اخلاق کا سرچشمہ حیا ہے۔ حضرت عیسیٰ کے تعلیم و شریعت میں اخلاق کا اصل جوہر عفو و درگزر اور رحمت ہے اور اسلامی شریعت میں فضائل اخلاق کا اصل جوہر اور سرچشمہ حیا ہے۔ کسی برائی کے بارے میں یہ کہنا کہ یہ کھلی ہوئی بے حیائی ہے، گویا اس کی قباحت، شناعت اور قابل نفرت کہنے کے لیے آخری بات کہہ دی گئی اب اس کے بعد شریف اور مہذب سوسائٹی سے کہنے کے لیے کوئی بات باقی نہیں رہی۔

انسانی سوسائٹی ہمیشہ سے فطری طور پر بے حیائی اور بے شرمی سے سخت نفرت کرتی رہی اور ہر زمانے میں اس کو نہایت بُرا اور انتہائی گھناؤنا سمجھ کر اس سے بیزاری اور اجتناب کیا جاتا رہا ہے، اور اس کے مرتکب کو سدا ذلیل، حقیر، قابل نفرت اور بُرا سمجھا گیا ہے۔ عورت اور مرد کے آزادانہ ناجائز تعلق کو انسانی دُنیا نے ہمیشہ بُرا جانا ہے۔ اس کو کبھی گوارا نہیں کیا ہے۔ اس کی قباحت اور رذالت اس قدر واضح ہے کہ انسانی فطرت نے ہمیشہ اس سے اِبا کیا ہے، زنا کو ہمیشہ سے انسانی سوسائٹی میں باعثِ ذلت اور کھلی ہوئی بے حیائی سمجھا گیا ہے۔ مہذب انسانی سوسائٹی کا تعارف ہی معروف جوڑے سے ہوا ہے اور صحیح بنیاد پر قائم ہونے والے خاندان کا وجود ہمیشہ سے متعارف، قابل فخر اور قابل نسبت رہا ہے اور خاندان ونسب کی عظمت و صحت پر بٹہ لگانے والوں کو ہمیشہ ذلت وحقارت سے دیکھا گیا ہے۔

انسانوں نے ہمیشہ بے حیائی سے نفرت کی ہے اور زنا کو کھلی ہوئی بے حیائی سمجھا ہے، انسانی دنیا کو اس کی برائی اور بے حیائی سمجھانے کے لیے کسی دلیل اور بحث کی ضرورت نہیں رہی ہے انسانی فطرت کے نزدیک یہ ہمیشہ سے ایک کھلی ہوئی بے حیائی اور مانی ہوئی بُرائی رہی ہے اور معاشرے نے کبھی ایسے بے حیاؤں کو گوارا نہیں کیا ہے جو دوسروں کی عصمتوں پر ڈاکہ ڈالیں، اور حرمتوں کو پامال کریں۔

دوسری دلیل قرآن نے یہ دی ہے کہ یہ بہت ہی بُری راہ ہے۔ انبیاءؑ نے ہر دور میں اس معاملے میں جس راہ راست کی تلقین کی ہے اور فطرت انسانی نے بھی ہمیشہ سے جس راہ کو صحیح سمجھ کر پسند کیا ہے، یہ راہ اس سے ہٹی ہوئی ہے، اور بہت ہی بُری راہ ہے، انسانی سماج میں اگر یہ راہ کھل جائے تو نہ صالح معاشرہ رہے گا نہ صالح تہذیب رہے گی، اور نہ کوئی حکومت اور نظام ہی رہے گا۔ بے حیائی کی اس راہ پر چل پڑنے والے انسانی تہذیب رہے گی، اور نہ کوئی حکومت اور نظام ہی رہے گا۔ بے حیائی کی اس راہ پر چل پڑنے والے انسانی تہذیب کی جڑیں ہی اکھاڑ پھینکیں گے۔ انسانی تہذیب کی بنیادیں اور انسانی معاشرے کے بہت سے شعبوں کی صحت اور قیام کا دارومدار ہی اسی پر ہے کہ عورت اور مرد کا تعلق صحیح بنیادوں پر استوار ہو اور انسان کی یہ قابل قدر قوت خالقِ فطرت کے مطلوبہ مقاصد ہی کے لیے استعمال ہو، اور خلاف فطرت اعمال خبیثہ سے انسانی سماج یکسر پاک ہو۔ ایک صحتمند، صالح اور اعلیٰ معاشرے کی بنیاد ایک صالح خاندان پر ہوتی ہے اور خاندان کے اندر ماں، باپ اور اولاد کے فطری شفقت و محبت کے والہانہ جذبات اور صلۂ رحمی کے گہرے احساسات اسی وقت جنم لے سکتے ہیں جب شوہر اور بیوی کا تعلق، معلوم، معروف اور صحیح بنیادوں پر استوار ہو، اور اولاد کے ساتھ والدین کا تعلق، صحیح خون، صحیح نسب اور پاکیزہ رحمی رشتے پر قائم ہو.... اگر یہ مطلوب خوشگوار صحت مند تعلق ہی صحیح بنیادوں پر استوار نہ ہو تو غیر صحت مند بنیادوں پر قائم ہونے والے تعلق سے وہ مستحکم، پاکیزہ اور مثالی خاندان ہرگز وجود میں نہیں آ سکتا جس پر ایک صالح معاشرے کی بنیاد رکھی جا سکے، اور جب صالح معاشرہ ہی نہ ہوگا تو کسی اعلیٰ تہذیب و تمدن کی بنیاد کس چیز پر رکھی جا سکے گی؟

خسروی

ص
وہ

جس کی عظمت کی خدا نے دی گواہی ۔۔۔ نعت جس کی اصل میں حمد الٰہی

انفس و آفاق پر جو رحمتِ عام ۔۔۔ فیض جس کا ماہ سے ہے تابہ ماہی

جس کا ڈنکا عرش سے تحت الثریٰ تک ۔۔۔ شرق سے تاغرب جس کی بادشاہی

مصحفِ تکوین کی وہ آیتِ خاص ۔۔۔ جس کے معنیٰ ہر زمانے میں جُداہی

سورۂ اولیٰ جسے گر بھول جائیں ۔۔۔ ہو نہ رکعت ایک بھی ہرگز ادا ہی

عرش زیرِ پا مگر ہے خاک پر سر ۔۔۔ اور عبدیت ہے کس نے یوں نباہی؟

تیغ عریاں بہر میدان بہر رزم ۔۔۔ مان لی باطل نے جس کی بے پناہی

بعد جس کے پھر نہیں معصوم کوئی ۔۔۔ جو خلاف اس کے کہے وہ محض واہی

حُسنِ حق کی تاب نظارہ کسے ہے؟ ۔۔۔ اور کس کو مِل سکی یہ حق نگاہی؟

سر فگندہ ہر نبی ہوگا کھڑا جب ۔۔۔ زیب دے گی بس اسی کو کج کُلاہی

لاکھ بھٹکے پھر بھی پہونچے گا اسی تک ۔۔۔ منزلِ آخر ہے وہ انسان راہی

صدق وعدل وعلم وجرأت کے وہ چاروں ۔۔۔ عکس اسی کے ہیں جو خود عکسِ الٰہی

کون پہچانے حقیقت میں وہ کیا ہے؟ ۔۔۔ جانتا ہے خسروی جس کو خدا ہی

❀❀❀

میر محمد حسین

تاثیر قرآن

ہم عجمی ہیں اور قرآن مجید عربی۔ ہمارا معاملہ کچھ ایسا ہے کہ ''زبان یارِ من ترکی و من ترکی نمی دانم'' قرآن مجید کے الفاظ کی ساخت ان کی باہمی بندوش وترکیب اور اس کے اسلوب میں کچھ ایسی جلاوت وغنائیت ہے کہ ایک عام آدمی بھی کسی خوش گلوقاری کو قرآن پڑھتے سُن کر جھومنے لگتا ہے۔ برصغیر کا یہ واقعہ کسی پڑھے لکھے آدمی سے مخفی نہیں کہ سید عطاء اللہ شاہ بخاری مرحوم جب اپنی مخصوص لے میں قرآن مجید تلاوت کرتے تھے تو یہاں کے ہندو اور سکھ بھی سُن کر مسحور ہو جاتے اور گھنٹوں تک پوری محویت کے ساتھ کھڑے سُنتے رہتے۔ آج بھی حُسنِ قرأت کی محفلیں جمتی ہیں تو مجمعوں پر وجد کی سی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔

قرآن مجید کی ہم عجمیوں پر یہ تاثیر اس کے باوجود ہے کہ ہم نہ اس کے معانی کو سمجھتے ہیں اور نہ اس کی فصاحت و بلاغت کا ادراک رکھتے ہیں۔ اگر کسی کو یہ دولت بھی نصیب ہو تو قرآن مجید سُن کر اس کی کیا کیفیت ہو۔ اس کا اندازہ ان عربوں سے پوچھئے جن کی نہ صرف مادری زبان عربی تھی بلکہ انھیں اپنی سخن آوری پر اس قدر ناز تھا کہ وہ پوری دُنیا کو اپنے مقابلے میں عجم (بے زبان) تصور کرتے تھے۔

انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جو الزامات عائد کیے، ان میں سے ایک یہ بھی تھا کہ یہ شخص (ساحر) جادوگر ہے۔ یہ الزام خود بتا رہا ہے کہ لسانِ رسالت سے قرآن مجید سُن کر ان

کے دل اس طرح بے اختیار اس کی طرف کھنچے چلے جاتے تھے جیسے کسی نے ان پر جادو کر دیا ہو،
یہی وجہ ہے کہ وہ ہمیشہ اپنے لوگوں سے کہتے۔

لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ

کہ اس قرآن کو مت سنو! بلکہ جب یہ پڑھا جا رہا ہو تو خوب غُل غپاڑہ مچاؤ تا کہ تم پر یا کسی دوسرے پر اس کا اثر نہ ہونے پائے۔ تمہارے غالب رہنے کی یہی ایک صورت ہو سکتی ہے اور اسی لیے وہ مکہ میں ہر نو وارد کو نصیحت کرتے کہ اپنے کانوں میں روئی ٹھونس لو کیونکہ یہاں محمدؐ نامی ایک شخص اپنے کلام کے ذریعہ سے لوگوں پر جادو کر دیتا ہے۔

معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر پانچ سال تک اگر اسلام نہیں لائے تو اس کی وجہ یہ تھی کہ اپنے آبائی دین میں تصلّب کی وجہ سے انھوں نے اپنے کان میں قرآن کی آواز پڑنے ہی نہیں دی۔ جونہی اپنی بہن کے گھر میں یہ آواز اُن کے کان میں پڑی ان کے دل کی دنیا بدل گئی اور وہ جو شمشیر بکف ہو کر گھر سے نکلے تھے کہ آپؐ کا کام تمام کر دیں گے۔ اب گردن بزیر ہو کر آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

کفارِ مکہ کی ایذا رسانیوں سے تنگ آ کر حضرت ابو بکرؓ مکہ سے باہر جانے لگے تو ابن الدغنہ نے کہا: آپ جیسے شریف انسان کا مکہ سے چلے جانا اہلِ مکہ کی بد نصیبی ہوگی۔ آج سے آپ میری امان میں ہیں، پوری آزادی کے ساتھ اپنے دین پر عمل کریں۔ کسی کو آپ کے درپۓ آزار ہونے کی جرأت نہ ہوگی۔ روایات میں ہے کہ حضرت ابو بکرؓ جب رات کو نماز کے لیے کھڑے ہوتے اور قرآن مجید کی تلاوت کرتے تو پاس سے گزرنے والا ہر شخص اُسے سن کر متاثر ہوئے بغیر نہ رہتا۔ یہ دیکھ کر اہلِ ملہ چیخ اٹھے کہ ابو بکر کی اس تلاوتِ قرآن سے ہماری عورتیں، بچے اور نوجوان آبائی دین سے منحرف ہوئے جاتے ہیں۔ اکٹھے ہو کر ابن الدغنہ سے کہا کہ ابو بکرؓ کو ایسا کرنے سے روکو ورنہ پوری قوم صابی ہو جائے گی۔ چنانچہ ابن الدغنہ کو حضرت ابو بکر کو دی گئی امان سے دست بردار ہونا پڑا۔

ولید بن مغیرہ نے ایک روز رؤسائے قریش سے کہا: آج رات میں اس شخص (محمدؐ) کا جائزہ لے کر تمھیں بتاؤں گا چنانچہ وہ ایسے وقت پہنچا جب آپ نماز میں قرآن مجید پڑھ رہے تھے۔ دیر تک کھڑا سنتا رہا واپس لوٹا تو لوگوں سے کہنے لگا میں نے ایک شیریں شاداب اور بار آور کلام سُنا

ہے جو دلوں میں اُترا چلا جاتا ہے، انھوں نے سوال کیا: تو کیا وہ شعر ہے؟ اس نے کہا مجھ سے بڑھ کر شعر کا شناسا کون ہو سکتا ہے؟ خدا کی قسم! وہ شعر نہیں۔ اُنھوں نے پوچھا: تو کیا محمد کاہن ہے اور اس کا یہ کلام کہانت کی کوئی قسم ہے؟ اس نے جواب دیا: ''ہرگز نہیں کیوں کہ میں کہانت سے بھی خوب واقف ہوں۔'' انھوں نے کہا: ''تو کیا وہ جادو ہے؟'' کہنے لگا میں نہیں جانتا، لیکن اگر وہ (مخلوق کے کلام کی قسموں میں سے) کوئی چیز ہو سکتا ہے تو وہ جادو ہی ہے''۔

خالد بن عقبہ نے قرآن مجید سُن کر اس پر ان الفاظ میں تبصرہ کیا کہ:

وَاللّٰہِ اِنَّ لَہٗ لَحَلَاوَۃٌ وَاِنَّ عَلَیْہِ لَطَرَاوَۃٌ۔ وَاِنَّ اَسْفَلَہٗ لَمُغْدَقٌ وَاِنَّ اَعْلَاہُ لَمُثْمِرٌ وَمَایَقُوْلُ ھٰذَا بَشَرٌ

''خدا کی قسم! اس میں ایک عجیب مٹھاس ہے اور اس میں ایک عجیب تر و تازگی ہے اس کی جڑیں شاداب اور اس کی شاخیں پھلوں سے لدی ہوئی ہیں اور ایسا کلام کوئی انسان نہیں کہہ سکتا''۔

کہتے ہیں ایک دفعہ قریش کے تین بے مثال بلیغ خطیب.....ولید بن مغیرہ، اخنس بن قیس اور ابوجہل.....مختلف مقامات سے رات کے وقت رسول اکرمؐ کو اپنے گھر میں قرآن مجید پڑھتے ہوئے سُنتے رہے، یہاں تک کہ صبح ہوگئی واپسی پر جب ان کی باہم ملاقات ہوئی تو انھوں نے ایک دوسرے کو اس حرکت پر ملامت کی اور کہا کہ اگر عوام ہمیں ایسا کرتے ہوئے دیکھ لیں وہ بھی قرآن سننے لگیں تو وہ فوراً ایمان لے آئیں دوسری شب کو بھی انھوں نے یہی کچھ کیا اور پھر جب باہم ملے تو پہلے سے بھی زیادہ اس حرکت پر شرمسار ہوئے اور قسم کھائی کہ آئندہ ایسا نہیں کریں گے۔ دن چڑھا تو ولید بن مغیرہ، اخنس بن قیس کے پاس آیا اور کہنے لگا جو کچھ تم نے محمدؐ سے سُنا اُس کے بارے میں تمھاری کیا رائے ہے۔ اُس نے کہا: میں کیا کہہ سکتا ہوں۔ بنو عبدالمطلب نے کہا: ہم حاجب ہوں گے، ہم نے تسلیم کر لیا، انھوں نے کہا: ہم خانہ کعبہ کے متولی ہوں گے، ہم مان گئے۔ انھوں نے حاجیوں کی سقائی کا کام اپنے ذمہ لیا۔ ہم نے مزاحمت نہ کی۔ اب وہ کہتے ہیں کہ ہم میں نبی بھی آیا ہے جس پر وحی نازل ہوتی ہے۔ خدا کی قسم! میں تو اس پر ہرگز ایمان نہیں لاؤں گا، یہ واقعہ بتا رہا ہے کہ رموزِ سخن سے آشنا ان لوگوں کے دلوں میں قرآن مجید نہ صرف اپنے مضامین

بلکہ اپنی فصاحت و بلاغت کے لحاظ سے بھی اُتر چکا تھا، مگر اُن کی وہ شعوبی عصبیتِ جاہلیہ آڑے آتی رہی اور وہ ایمان نہ لائے۔

ثمامہ بن اثال مخالفین کے پروپیگنڈے سے متاثر ہو کر کہا کرتا تھا کہ میرے لیے محمدؐ کے چہرے سے زیادہ مبغوض کوئی چہرہ نہیں اور اس کے شہر (مدینہ) سے بڑھ کر کوئی شہر قابلِ نفرت نہیں، مگر جب گرفتاری کے بعد دو ہی روز مسجد نبویؐ میں براہ راست آنحضور اکرمؐ کی زبان مبارک سے قرآن مجید سننے کا اتفاق ہوا تو اب یہ کیفیت تھی کہ اس کے لیے حضورؐ کی ذات سے بڑھ کر کوئی ذات محبوب نہ تھی اور مدینہ سے بڑھ کر اسے کوئی شہر عزیز نہ تھا۔

ملک الشعراء ولید جس کے بعض شعروں پر کہتے ہیں کہ شاعر اس کے سامنے سر بسجود ہو گئے تھے، قرآن مجید سے اس قدر متاثر تھا کہ ایک ملاقات میں جب حضرت عمرؓ نے اس سے اپنا تازہ کلام سنانے کی فرمائش کی تو کہنے لگا کہ جب سے قرآن سنا ہے شعر کہنا چھوڑ چکا ہوں۔ بالفاظ دیگر قرآن مجید کے معجزانہ اسلوب کو دیکھ کر اس عظیم شاعر کو اپنا کلام حقیر دکھائی دینے لگا۔ جنوں کے اس تاثر میں کتنی حقیقت اور کتنے گہرائی ہے کہ: اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا (الجن)

سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ

توبہ

بگڑے ہوئے افراد کا سہارا

اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلاً صَالِحاً فَاُولٰئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ○

''الّا یہ کہ کوئی (ان گناہوں کے بعد) توبہ کر چکا ہو اور ایمان لا کر عمل صالح کرنے لگا ہو۔ ایسے لوگوں کی بُرائیوں کو اللہ بھلائیوں سے بدل دے گا، اور وہ بڑا غفور رحیم ہے''۔

....

یہ بشارت ہے ان لوگوں کے لیے جن کی زندگی پہلے طرح طرح کی جرائم سے آلودہ رہی ہو، اور اب وہ اپنی اصلاح پر آمادہ ہوں یہی عام معافی (General Amnesty) کا اعلان تھا جس نے اس بگڑے ہوئے معاشرے کے لاکھوں افراد کو سہارا دے کر مستقل بگاڑ سے بچالیا۔ اسی نے ان کو امید کی روشنی دکھائی اور اصلاحِ حال پر آمادہ کیا، ورنہ اگر ان سے یہ کہا جاتا کہ جو گناہ تم کر چکے ہو ان کی سزا سے اب تم کسی طرح نہیں بچ سکتے، تو یہ انھیں مایوس کر کے ہمیشہ کے لے بدی کے بھنور میں پھنسا دیتا اور کبھی ان کی اصلاح نہ ہو سکتی۔ مجرم انسان کو صرف معافی کی امید ہی جرم کے چکّر سے نکال سکتی ہے۔ مایوس ہو کر وہ ابلیس بن جاتا ہے۔

توبہ کی اس نعمت نے عرب کے بگڑے ہوئے لوگوں کو کس طرح سنبھالا، اس کا اندازہ ان بہت سے واقعات سے ہوتا ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں پیش آئے۔ مثال کے طور پر ایک

واقعہ ملاحظہ ہو، جسے ابن جریر اور طبرانی نے روایت کیا ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ ایک روز میں مسجد نبوی سے عشاء کی نماز پڑھ کر پلٹا تو دیکھا ایک عورت میرے دروازے پر کھڑی ہے۔ میں اس کو سلام کر کے اپنے حجرے میں چلا گیا اور دروازہ بند کر کے نوافل پڑھنے لگا۔ کچھ دیر کے بعد اس نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ میں نے اٹھ کر دروازہ کھولا اور پوچھا کیا چاہتی ہے؟ وہ کہنے لگی میں آپ سے ایک سوال کرنے آئی ہوں۔ مجھ سے زنا کا ارتکاب ہوا، ناجائز حمل ہوا، بچہ پیدا ہوا تو میں نے اسے مار ڈالا۔ اب میں معلوم کرنا چاہتی ہوں کہ میرا گناہ معاف ہونے کی بھی کوئی صورت ہے؟ میں نے کہا ہرگز نہیں۔ وہ بڑی حسرت کے ساتھ آہیں بھرتی ہوئی چلی گئی، اور کہنے لگی، ''افسوس، یہ حُسن آگ کے لیے پیدا ہوا تھا''۔ صبح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھ کر جب میں فارغ ہوا تو میں نے حضورؐ کو رات کا قصہ سنایا۔ آپ نے فرمایا، بڑا غلط جواب دیا ابو ہریرہ تم نے۔ کیا یہ آیت قرآن میں تم نے نہیں پڑھی، وَالَّذِيْنَ لَايَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ.... اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا؟ حضورؐ کا یہ جواب سُن کر میں نکلا اور اس عورت کو تلاش کرنا شروع کیا۔ رات کو عشاء ہی کے وقت وہ ملی۔ میں نے اسے بشارت دی اور بتایا کہ سرکارِ رسالت مآبؐ نے تیرے سوال کا یہ جواب دیا ہے۔ وہ سنتے ہی سجدے میں گر گئی اور کہنے لگی، شکر ہے اس خدائے پاک کا جس نے میرے لیے معافی کا دروازہ کھولا۔ پھر اس نے گناہ سے توبہ کی اور اپنی لونڈی کو اس کے بیٹے سمیت آزاد کر دیا۔

اس سے ملتا جلتا واقعہ احادیث میں ایک بڈھے کا آیا ہے۔ جس نے آکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا تھا کہ یارسول اللہ ساری زندگی گناہوں میں گذری ہے، کوئی گناہ ایسا نہیں جس کا ارتکاب نہ کر چکا ہوں، اپنے گناہ تمام روئے زمین کے باشندوں پر بھی تقسیم کر دوں تو سب کو لے ڈوبیں۔ کیا اب بھی میری معافی کی کوئی صورت ہے؟ فرمایا، کیا تو نے اسلام قبول کر لیا ہے؟ اس نے عرض کیا، میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔ فرمایا، جا، اللہ معاف کرنے والا اور تیری بُرائیوں کو بھلائیوں سے بدل دینے والا ہے۔ اس نے عرض کیا میرے سارے جُرم اور قصور؟ فرمایا، ہاں تیرے سارے جرم اور قصور (ابن کثیر، بحوالہ ابن ابی حاتم)

❀❀❀

الحاج عبدالکریم پاریکھ

صاحب کتاب امت
فساد کا شکار کیوں؟

اگر تم نیکی پر قائم رہو گے تو اپنا ہی بھلا کرو گے اور بری حرکت سے باز نہ آؤ گے تو اس کا وبال بھی تم پر پڑے گا۔ بس جب ہمارا دوسرا وعدہ آ پہنچے گا تو پھر تمہارے دشمن مار مار کر تمہارے منہ بگاڑ دیں گے اور تمہاری مسجدوں میں بھی گھس جائیں گے جیسے پہلی بار گھس پڑے تھے اور تباہی مچائیں گے۔ جہاں بھی انکا زور چلے گا خوب توڑ پھوڑ کریں گے۔ (بنی اسرائیل آیت ۷)

اسرائیلی مسلمانوں نے دورِ موسیٰ میں خوب عروج پایا اور بعد میں ان کی ساکھ اور عزت بھی بڑھی۔ جب تک تورات اور شریعتِ موسوی کے مطابق چلتے رہے انکا دبدبہ اور رعب قائم رہا اور خدا کے انعام سے بہت مالا مال ہوتے رہے لیکن جب بگڑنے لگے اور شرک و بدعات اور جاہلی اقوام کے میل جول سے بت پرستی قبر پرستی اور دین میں حیلے بہانے تراشنے میں لگے اور اپنے اندر اصلاح کرنے والوں کو جیتے جی خوب ستایا حتیٰ کہ بعض اصلاح کرنے والوں کو قتل بھی کر ڈالا اور قتل کرنے بعد انہی کی قبروں پر سجدے بھی کیئے اور خوب ناچ کودے دین کو مشکوک بنایا اور اصل تورات کو طاق میں رکھ دی اس کی تلاوت اور فہم بھی ان میں سے اٹھ گیا بزرگوں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنایا غیر اللہ کو اپنا وکیل اور کارساز بنایا، اللہ کی زمین میں توحید کے داعی ہونے کے بجائے شرک کے بیوپاری بنے علمائے سوور پیٹ پوجنے والے بے دین عالم نما جاہلوں کی خوب بن آئی۔ تب اللہ نے دوسری قوم سے اپنے لڑاکو اور جنگ جو بندوں کو ان پر ٹوٹ پڑنے کا موقع دیا اور ان کی

اچھی طرح خبر لی گئی۔ ہزاروں لاکھوں لوگ مارے گئے جلائے گئے اور گھر سے بے گھر کیے گئے، بادشاہی اور سلطنت اٹھ گئی اور ہر طرح ذلیل وخوار ہو کر بے عزت ہوئے۔

پھر ایک بار اللہ نے انھیں موقع دیا اور ان کی توبہ قبول کی اور نیکی پر قائم ہوئے، بدی کو چھوڑا تب اللہ نے انھیں مال اور اولاد، فوج اور ہتھیاروں سے خوب خوب نوازا، دشمن بھاگے اور اسرائیلی مسلمان پھر اپنی پہلی شان وشوکت پر آگئے لیکن اس کے بعد بھی بگڑے اور وہی پرانی حرکتیں شروع کر دیں تب اللہ نے پھر دشمن کو ان پر دھاوا بولنے کا موقع دیا اور اب کی بار تو خوب مارے گئے کچلے گئے قتل وغارت ہوئے بے وطن ہوئے، حتیٰ کہ ان کی مسجدوں کو بھی دشمنوں نے توڑ پھوڑ ڈالا، یہ دوسری بار کا حملہ اتنا شدید تھا کہ اسرائیلی مسلمانوں کی قوت جواب دے گئی اور ان کا مذہبی تقدس کلدانی دور بابل کی فوجوں نے پامال کیا اور ٹائیٹس رومی کی چڑھائی کے بعد ان کی جماعتی قوت بکھر گئی اور پھر کہیں کے نہیں رہے صرف مناظرے کرتے اور خوشی کے باجے بجاتے رہ گئے کلدانی آج کے ہم مسلمان بھی غور کریں کہ خدا نے ایک زمانے میں اسرائیلی مسلمانوں کی مسجد کو بھی تڑوا دیا اور دشمن کو یہ موقع دیا کہ انھیں خوب ذلیل کریں۔ قرآن مجید اور توریت سے معلوم ہوتا ہے کہ مسجد اللہ کا گھر ہے اس کی عبادت کی جائے سجدے کیے جائیں دعائیں اور اعتکاف ہو نمازیں ہوں، اللہ کا ذکر ہو۔ مگر یہ لوگ قبر پرستی میں لگ گئے، مسجدیں ویران ہو گئیں اور غیر اللہ کے آستانے خوب آباد ہوئے ناچ رنگ کی محفل جمنے لگی، مرد وعورت خوب میلے لگاتے، کیا یہ کام آج کے مسلمان بھی نہیں کر رہے ہیں؟ ہم بھی حالات پر غور کریں اور تاریخی واقعات سے سبق لیں تو اس میں ہماری بھلائی ہے۔

قومی اور ملی اعتبار سے بنی اسرائیل کے گناہوں کی پوری سزا دینے کے بعد پھر انھیں موقع دیا گیا کہ اپنے اصل مقام پر کھڑے ہوں جہاں ان کو انبیاء علیہ السلام نے کھڑا کیا تھا۔ لگ بھگ ۵۳۹ سال قبل مسیح شہنشاہ بابل کی طاقت زوال پذیر ہوئی اور حضرت عذیر علیہ السلام کی دعوت کے جھنڈے تلے پھر بنی اسرائیل کھڑا ہو گئے اللہ نے اس قوم کے دن پھیر دیے اور انھیں مال اور اولاد سے خوب خوب نواز دیا اور قابل جنگ افراد کی اچھی خاصی تعداد سے ایک زبردست فوجی

طاقت عطا کر دی۔ حضرت عذیر علیہ السلام کی قیادت میں دین موسوی کی تجدید ہوئی۔ دینی تعلیم اور اخلاقی ضابطے میں بنی اسرائیل کی دلچسپی نے خدا کی رحمت کے دروازے پھر ان پر کھول دیئے۔ حضرت عذیر علیہ السلام نے ان میں تبلیغی اسپرٹ پیدا کر دی اور ہم سایہ قوموں کو توحید اور کتاب اللہ نیکی اور پرہیزگاری کی دعوت دینے کے لئے من حیث القوم بنی اسرائیل کو ایک دینی جماعت بنا دیا۔ پس بنی اسرائل کی قسمت پلٹی اور ایک بار اسے پھر ایسا ہی اقتدار نصیب ہوا جیسا پہلے تھا اور یہ نتیجہ تھا تمام تر حضرت عذیر علیہ السلام کی تبلیغی جدو جہد کا اور بنی اسرائیل کے بھرپور تعاون کا جو تاریخ میں پہلی بار حضرت عذیر علیہ السلام کو میسر ہوا ورنہ اب تک کسی نبی کو بنی اسرائیل خاطر میں لانے تک کو تیار نہیں تھے۔

پہلے فساد کے بعد بنی اسرائیل سنبھل گئے اور نیکی اور خدا پرستی کو زندگی کا مقصود بنا لیا۔ مگر کامیابی مل جانے کے بعد رفتہ رفتہ پھر بگڑنے لگے اور ٹھیک اسی مقام پر جا کھڑے ہوئے جس کی وجہ سے پہلا فساد عظیم برپا ہوا تھا، اب پھر شریعت موسوی کے ترک و تحریف، گناہ و بت پرستی سود و زنا، یہ سب کچھ پہلے کی طرح ہونے لگا، تب مسیح علیہ السلام نے خاص الخاص بنی اسرائیل کی ہدایت کے لئے مبعوث فرمائے گئے تھے، ان تمام برے کاموں کے خلاف آواز اٹھائی۔ بعثت مسیحی کے وقت یہود فرقہ وارانہ ٹولیوں میں بٹ چکے تھے اور یوں بھی ان کی ریاستیں مفلوج ہو کر رومی حکومت کے ماتحت ہمارے یہاں کے دیسی راجاؤں کے طرز پر باقی رہ گئی تھیں، اقتدار کا نشہ اتر جانے بعد بھی یہ قوم ہوش میں نہیں آتی اور سیدنا مسیح علیہ السلام کی تبلیغ سے اپنی نشاۃ ثانیہ کے لئے تیار نہ ہوئی۔ بلکہ وقت کی رومی سلطنت کے قانون کے بطور سازش کے حضرت مسیح علیہ السلام پر مقدمات چلائے اور انہیں سلطنتِ وقت کا باغی ثابت کیا۔ پھر حضرت مسح علیہ السلام کے قتل کی شازش بھی اسی قوم یہود نے تیار کی سیدنا مسیح علیہ السلام کو قتل کرنے میں یہود ناکام رہے۔ حضرت مسیح کو اللہ نے ان ظالموں کے ہتھے نہیں چڑھنے دیا اور آپ کو آسمان پر اٹھا لیا۔ اس کے بعد یہود تو یہی سمجھتے تھے اور اب تک یہی سمجھتے آرہے ہیں کہ مسح علیہ السلام کو انھوں نے قتل کر دیا، مگر فی الواقع شمعون نامی یہودی شخص کو انھوں نے مسیح سمجھ کر قتل کر دیا اس کے بعد ہی مسیح پر ان کا غصہ کم

نہیں ہوا اور مریم علیہا السلام پر بہتانِ عظیم کے چرچے اس ملعون قوم نے عوام کی زبان پر جاری کر دیئے۔

خدا نے اب فیصلہ کر لیا کہ اس قوم کے چند صالح افراد کو چھوڑ کر باقی سب کو اہل کتاب کی فہرست سے خارج کر دے اور یہ فیصلہ اس طرح نافذ ہوا کہ ۷۰ء میں رومی بادشاہ (TITUS) نے یروشلم پر قبضہ کیا اور ایک لاکھ ۳۳ ہزار یہود کو قتل کر ڈالا۔ پچاس ہزار سے زائد کو قید کر کے لے گیا، اور ہیکلِ سلیمانی کو مسمار کر دیا۔ ہزاروں یہود مرد اور عورتیں بھیڑ بکریوں کی طرح بازاروں میں بکنے لگے، اور اس طرح اس مال غنیمت کو رومی سلطنت نے بے قیمت سمجھ کر ادھر ادھر منتشر کر دیا۔ مسجدِ بیت المقدس کے بے حرمتی کا تذکرہ بھی یہاں کیا گیا ہے۔ یہود اس مسجد کے متولی، مصلی اور امام تھے بلکہ اسلام کے متولی اور اسلامی جماعت کے ارکان بھی تھے۔ توحید، رسالت و آخرت، وحی کتاب و نبوت کے اصول و عقائد کی حامل کوئی قوم روئے زمین پر ان کے سوا نہیں تھی مگر جب خود اپنے مسلمہ اصولوں کی خلاف ورزی کر کے تارکِ صلوٰۃ ہو گئے تو پھر مسجد کا بھلا کیا کام رہ گیا تھا اپنے دور اقتدار میں اپنی ہی مساجد کو ویران کرنے والوں کی یہ سزا خدا نے تجویز فرمائی کہ مسجدِ بیت المقدس اور ہیکل سلیمانی کو فسادیوں کے ہاتھوں زیر وزبر کر دیا۔

ترکِ صلوٰۃ کے مجرم تو ہم بھی ہیں یہ فیصلہ ایک بار ہمارے حق میں تو حاکمِ کائنات نے نہیں کر دیا، اب ملتِ اسلامی کو نماز سے دلچسپی نہیں تو مسجدیں بھی ان کے ہاتھوں سے چھین لی جائیں؟

کوئی ضرورت نہیں کہ تارکینِ صلوٰۃ سے مساجد چھین کر اقامتِ صلوٰۃ والے تارکین کے سپرد کی جائے، ہاں اگر مقابلہ میں اٹھ کھڑے ہوں تو ایسا ہوتا آ رہا ہے۔ مگر یہاں تو ہم خود ہی تارکین صلوٰۃ تھے، رہے یہود تو ان کو نماز و جماعت سے پیچھا چھڑائے ہوئے مدت ہو چکی ہے۔

کوئی صاحب کتاب امت فسادات کی شکار کیوں بنائی جاتی ہے اور قدرت اس معاملہ میں اپنا مستور ہاتھ کس طرح استعمال کرتی ہے۔ یہ سمجھنے میں اب کسی مسلمان کو دیر نہیں لگنی چاہیے۔

☆☆☆

قیصر سرمست

وہ معتبر ہستیاں
جن کی بدولت احادیث ہم تک پہونچیں

یوں تو محدثینِ کرام بے شمار گزرے ہیں اور آج بھی موجود ہیں لیکن جو مقام اور شہرتِ دوام چند ایک محدثین کے حصے میں آئی ہے وہ کسی اور کو میسر نہ ہوسکی اور شاید آئندہ بھی نہ ہوسکے۔ بے شمار محدثین میں سے چند مشہور نام جو ہمارے سامنے آتے ہیں وہ یہ ہیں۔

ابن ابار، ابن اثیر، ابن بابویہ (شیعی محدث) ابن بشکوال، ابن جوزی، ابن حاجب، ابن حجر، ابن خلدون، ابن سعد، ابن ماجہ، ابن مالک، ابوجعفرقمی (شیعی محدث)، ابو ہریرہ، احمد بن حنبل، انس بن مالک، بخاری، بیہقی، ترمذی، خطیب بغدادی، دارقطنی، دارمی، دمیری، ذہبی، سفیان ثوری، بھوری، سیرانی، شافعی، طوسی (شیعی محدث) طیالسی، عیاض، قسطلانی، کندی، مالک ابن انس، مسلم، معین المسکین، مقاتل، نسائی، واقدی، یافعی، ابن جبیر، ابن حبان، ابن ابی رندقہ، ابن فرح، ابن فرحون، ابن القرضی، ابوداؤد، ابومخنف، اعمش، سحون، عبدالطیف اور قالی وغیرہم۔

ان باون ناموں میں صرف تین شیعی محدث آپ کو ملیں گے اور انھیں بھی کوئی شہرت نہیں ملی اور لوگ انھیں بھولتے جارہے ہیں۔ اس کے برخلاف سنت والجماعت کے محدثین لاتعداد گزرے ہیں جن میں ابن اثیر، ابن جوزی، ابن ماجہ، ابن مالک، ابو ہریرہ، احمد بن حنبل، انس بن مالک، بخاری، بیہقی، ترمذی، سفیان ثوری، شافعی، مالک ابن انس، مسلم، نسائی، ابن حبان اور ابوداؤد میں سے بھی جو شہرت، عزت، وقعت اور انمٹ نقش، ابن ماجہ، ابو ہریرہ، احمد بن حنبل،

مالک، بخاری، بیہقی، ترمذی، شافعی، مسلم اور داؤد نے چھوڑا ہے اس کے مثال نہیں ملتی، ان حضرات میں سے چند کو صحابی رسولؐ ہونے کا شرف حاصل ہوا ہے۔ یہاں میں چند نامور محدثین کا مختصر اتعارف پیش کرتا ہوں۔

حضرت ابو ہریرہؓ

مشہور جامع احادیث تھے۔ نوویؒ نے آپ کا نام عبدالرحمٰن بن صخر بتایا ہے اور دُریدؒ اپنی تحقیق کے بل پر آپ کا نام عمیر بن عامر ظاہر کرتا ہے، ۷ھ میں یہ مدینہ آئے تھے یہ سال وہی ہے جس میں جنگ خیبر ہوئی تھی۔ مدینہ آ کر اہل صفہ میں داخل ہو گئے تھے۔ اصحاب صُفہ کے بارے میں تو آپ جانتے ہی ہیں کہ یہ سرکار نامدار نبی کریمؐ کے مہمان تھے اور یہ زمانہ اسلام کی تنگی کا زمانہ تھا۔ اس لیے اکثر فاقہ ہو جایا کرتا تھا۔ آپ سے جو احادیث مروی ہیں ان کی تعداد ہزار ہا تک پہنچ گئی ہے۔

ایک مرتبہ حاکم مدینہ منورہ مروان نے آپ کے حافظہ کا امتحان لینے کی غرض سے ایک انتہائی زودنویس شخص کو پردے کے پیچھے بٹھا دیا اور حضرت ابو ہریرہؓ سے خواہش کی کہ وہ کافی تعداد میں احادیث سنائیں۔ آپؓ نے بیان کیں جس پس پردہ بیٹھے ہوئے شخص نے لکھ لیا۔ اس کے بعد مجلس برخواست کردی گئی۔ چند دن بعد مروان نے پھر مجلس منعقد کی اور حضرت ابو ہریرہ سے فرمائش کی کہ گذشتہ دفعہ آپ نے جو حدیثیں سنائی تھیں انھیں ایک بار اور دہرا دیجیے۔ حضرت ابو ہریرہ حدیثیں سنانے لگے اور پردے کے پیچھے بیٹھنے والے شخص نے مکتوبہ حدیثوں سے مقابلہ شروع کیا جب حاضرین پر یہ راز کھلا کہ گذشتہ احادیث اوران احادیث کی ترتیب تو ترتیب ایک حرف کا بھی فرق نہیں آیا، تو وہ حیران رہ گئے۔

انس بن مالک ابوحمزہؓ

تاریخ پیدائش صحیح صحیح نہیں بتائی جا سکتی۔ نہایت مشہور محدث تھے، انھیں حضور سرورِ کونین نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کا شرف دس برس کی عمر سے نصیب ہوا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ

وسلم کے خاص خادموں میں آپ کا شمار ہوتا ہے۔ ۶۵ھ میں عبداللہ بن زبیرؓ کی طرف سے کچھ دن بصرہ کے امام بھی رہ چکے تھے۔ حجاج نے امویین کے مخالف ہونے کی وجہ سے ۲۷ھ میں آپ کی کافی توہین اور تذلیل خلیفہ عبدالملک نے آپ سے اس کے معذرت کی۔ آپ نے ۹۱ یا ۹۳ ہجری میں انتقال کیا۔

مالک ابن انسؒ

مشہور فقیہہ اور محدث اور مالکی مسلک کے امام تھے۔ تاریخ ولادت میں سات سال کا اختلاف پایا جاتا ہے۔ بعض سن پیدائش ۹۰ھ بتاتے ہیں اور بعض ۹۷ھ صحیح تاریخ ولادت کہتے ہیں۔ آپ کے چچا اور دادا اپنے وقت کے محدث تھے اور دونوں سے حدیث کی ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ آپ کے والدہ نے آپ کو فقہ کی تعلیم دلوائی۔ ان کی مشہور کتاب موطا نے انھیں شہرت دوام بخشا۔ یہ اسلام کا سب سے پہلا مجموعۂ مسائل فقہیہ کا ہے۔ انھوں نے جو احادیث اس میں روایت کی ہیں اس کی کافی چھان بین کی تھی۔ انھوں نے ۸۵ سال کی عمر پا کر ۱۷۵ھ میں انتقال کیا اور یہ زمانہ امام شافعی کے شباب کا تھا۔

سفیان ثوریؒ

ابو عبداللہ سفیان بن سعید نام تھا۔ ۹۷ھ م ۷۱۵ء میں پیدا ہوئے، مشہور محدث ہونے کے ساتھ ساتھ اپنے زہد و تقوی کے لحاظ سے خاص شہرت کے مالک تھے۔ آپ کے والد بھی اپنے زمانے کے مشہور محدّث تھے اور انھوں نے ہی اپنے ہونہار صاحبزادے کو حدیث کی تعلیم دی تھی۔ حضرت سفیان ثوری کی یہ خاص خصوصیت تھی کہ وہ امرا اور عمادین سلطنت سے نہ صرف دور رہتے تھے بلکہ دنیاوی عہدہ بھی قبول نہیں کرتے تھے۔ فن حدیث میں اکثر علماء انھیں حضرت مالک ابن انس پر ترجیح دیتے ہیں اور اس کے برخلاف بعض انھیں دوسرے درجہ کا محدّث تصور کرتے ہیں۔ آپ کا انتقال ۱۶۱ھ مطابق ۷۷۸ء میں ہوا۔

امام شافعیؒ

ابوعبداللہ محمد بن ادریس نام تھا۔ آپ کی ولادت ۱۵۰ھ مطابق ۷۶۷ء (غزہ) میں ہوئی، شافعی مسلک کے امام تھے۔ اتنی مشہور ہستی کے حالات کے متعلق کہا جاتا ہے کہ غیر مصدق روایات کا مجموعہ ہے۔ مسعودی سب سے پہلا مؤرّخ ہے جس نے ان کا ذکر کیا ہے، چونکہ باپ کا انتقال ان کی کمسنی میں ہوگیا تھا اس لیے والدہ نے نہایت غریبی کے عالم میں ان کی پرورش کی اور پھر بدوی قبائل کے حوالہ کردیا۔ یہی وجہ ہے کہ قدیم ادبیات عربی کے ماہر ہوگئے۔ مکہ میں آپ حدیث وفقہ کی تعلیم حاصل کرنے کے بعد بیس سال کی عمر میں مدینہ منورہ چلے گئے اور مالک ابن انسؒ کی وفات تک ان کے ساتھ رہے۔ یہ اصول فقہ کے بانی سمجھے جاتے تھے۔ بغداد اور قاہرہ میں معلّم حدیث کی حیثیت سے رہے، مسلک شافعی کو مصر اور عرب میں کافی عروج ملا۔ چنانچہ نسائی، ماوردی، غزالی، اشعری، شیرازی، رافعی، امام الحرمین یہ سب شافعی مسلک کے علماء تھے۔

احمد بن محمدؒ بن حنبلؒ

بغداد میں ۱۶۴ھ میں پیدا ہوئے اور بغداد ہی میں ستاسی (۸۷) سال کی عمر میں انتقال ہوا۔ مشہور محدث اور فقیہ گزرے ہیں۔ حنبلی فقہ کے امام ہیں۔ انھوں نے احادیث جمع کرنے کی غرض سے مختلف مقامات کا سفر کیا۔ مامون، معتصم اور واثق کے عہد میں چونکہ معتزلہ کا زور تھا اور اشعری عقاید کے علماء معتوب تھے اس لیے مامون کے زمانہ میں یہ بھی پابہ زنجیر طارسوس بھیج دیے گئے۔ معتصم باللہ تو انھیں جسمانی اذیت دینے سے بھی باز نہیں آیا لیکن متوکل کے زمانہ میں انھیں سکون نصیب ہوا۔ مسند ابن حنبل ان کی جمع کی ہوئی اٹھائیس ہزار احادیث کا مجموعہ ہے جو کافی مشہور ہوا۔

ترمذیؒ

آپ بھی بیہقی کی طرح اصل نام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ کے بجائے ترمذی کے نام سے زیادہ مشہور ہوئے۔ مشہور محدّثین میں آپ کا شمار ہوتا ہے اور حدیث میں آپ کی دو کتابیں ''مجموعہ

احادیث، (جامع ترمذی) اور شمایل المحمدیہ (ایسی احادیث اس مجموعہ میں جمع ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات و خصائل سے متعلق ہیں) بہت شہرت پا چکی ہیں لیکن یہ بہت کم لوگ جانتے ہیں کہ آپ نابینا تھے اور اسی حالت میں انھوں نے خراسان عراق اور حجاز وغیرہ کا سفر کر کے احادیث جمع کی تھیں۔ احمد بن حنبل بخاری اور ابوداؤد کے متعلق کہا جاتا ہے کہ آپ کے اساتذہ میں سے تھے ۲۷۹ھ میں آپ نے وفات پائی۔

البخاریؒ

محمد بن اسماعیل ابو عبداللہ الجعفی نام تھا۔ بخارا میں ۱۹۴ھ م ۸۱۰ء میں پیدا ہوئے۔ مشہور جامع احادیث میں سے ایک ہیں۔ بچپن ہی سے احادیث کے مطالعہ کا شوق تھا لیکن سولہ سال کی عمر میں باقاعدہ مکہ اور مدینہ کے مشہور ائمۂ حدیث کے درس میں شریک ہونے لگے، اس کے بعد آپ مصر گئے اور وہاں سے ارادہ بدلا اور سارے ایشیا کی سیاحت کر ڈالی۔ "جامع الصحیح" آپ کا مشہور مجموعۂ احادیث ہے۔ انھوں نے احادیث کے راویوں پر ایک کتاب "تاریخ الکبیر" کے نام سے لکھی تھی۔

ابوداؤدؒ

۲۰۲ھ م ۸۱۷ء میں پیدا ہوئے پورا نام ابوداؤد سلیمان بن الاشعث الاودی السجستانی ہے۔ مشہور محدث ہیں، امام احمد بن حنبل کے شاگرد ہیں۔ بصرہ میں مستقل قیام اختیار کر لیا تھا۔ احادیث جمع کرنے کے لیے آپ نے ابتدائی عمر ہی میں بڑے بڑے سفر کئے اور مشہور مجموعۂ احادیث "کتاب السنۃ" کے نام سے ترتیب دی۔ جس میں صرف احکام کو جمع کیا ہے۔ ان کی کتاب کو "صحاح ستہ" (حدیث کی چھ مستند کتابوں) میں شامل کیا جاتا ہے۔ لیکن صحیح مسلم اور صحیح بخاری کے بعد بصرہ میں ۲۷۵ھ میں انتقال ہوا۔

ابن ماجہؒ

ابوعبداللہ بن یزیدؒ۔ بہت مشہور اور جامع احادیث تھے۔ ۲۰۹ھ م ۸۲۴ء میں ولادت ہوئی۔ آپ کا مجموعہٗ احادیث سنن ابن ماجہ ''صحاح ستہ'' میں شامل ہے جسے عراق، عرب، شام اور مصر وغیرہ کی سیاحت کر کے آپ نے مرتب کیا تھا۔ ابن خلکان نے آپ کے جامع حالات لکھے ہیں۔

ابن حبانؒ

پورا نام ابن حبان محمد بن احمد البستی ہے ۲۷۶ھ میں پیدا ہوئے۔ سمرقند میں عہدۂ قضا پر مامور تھے۔ بعد میں یہ مرتد قرار دیئے گئے کیونکہ ان کا عقیدہ تھا کہ عہدۂ رسالت کے لیے علم و عمل دونوں ضروری ہیں ۳۵۴ھ میں انتقال کیا۔

بیہقیؒ

آپ اسی نام سے جانے پہچانے جاتے ہیں اور بہت کم لوگ پورے نام یعنی ابوبکر احمد بن الحسین بن علی بن موسیٰ الخر دجردی سے واقف ہیں۔ چونکہ آپ ۳۸۴ھ مطابق ۹۹۴ء میں بیہق (خردجرد) میں پیدا ہوئے تھے اسی مناسبت سے بیہقی ہوگئے جو اصلی نام سے زیادہ مشہور ہوگیا۔ آپ نے سیاحت کر کے اصول اسلام اور احادیث کا علم حاصل کیا تھا۔ سیاحت سے واپس آ کر نیشاپور میں شافعی فقہ پر تصنیف و تالیف شروع کر دی تھی۔ آپ کا انتقال ۴۵۸ھ ۱۰۶۶ء میں ہوا۔

ابن جوزیؒ

بغداد میں ۵۱۰ھ ۱۱۱۶ء میں پیدا ہوئے۔ مورخ اور فقیہہ، واعظ اور خطیب کی حیثیت سے بہت مشہور ہوئے۔ آپ نے مالکی فقہ کی موافقت میں احادیث پر بہت جرح کی اور حضرت امام غزالیؒ کی احیاء العلوم میں جو ضعیف (ان کے نظریہ کے مطابق) احادیث پائی جاتی ہیں ان پر کافی بحث کی۔

ابن اثیرؒ

نام تو عزالدین ابوالحسن علی بن محمد تھا لیکن ابن اثیر کے نام سے مشہور ہوئے۔ انھیں محدث کے بجائے مورخ کی حیثیت سے زیادہ شہرت ملی۔ ان کی لکھی ہوئی تاریخ ''الکامل'' نے بڑی شہرت حاصل کی جس میں انھوں نے ابتدا عالم سے ۶۲۸ھ تک کے واقعات لکھے ہیں۔ اس کتاب سے ابن خلدون نے بھی کافی استفادہ کیا تھا۔ اس کتاب کو یورپ اور ایشیا میں کافی مقبولیت ملی۔ الکامل میں ہندوستان سے متعلق باب میں وہ حصہ جو غزنوی اور غوری خاندان سے تعلق رکھتا ہے۔ قابلِ مطالعہ ہے۔ ۵۵۵ھ مطابق ۱۱۶۰ء میں پیدا ہوئے اور ۶۳۰ھ میں موصل میں انتقال کیا۔

ابن خلدونؒ

تیونس میں ۷۳۲ھ مطابق ۱۳۳۲ء میں پیدا ہوئے۔ حافظ قرآن ہونے کے بعد علمِ حدیث کی طرف متوجہ ہوئے اور اپنے والد اور تیونس کے علما سے نحو، ادبیات، علم شعر اور حدیث کی تعلیم لی۔ اکیس سال کی عمر میں شاہ تیونس کے میر منشی کا عہدہ آپ کو دیا گیا۔ لیکن بعض سیاسی الجھنوں کی بنا پر بسکرا (BISKRA) چلے گئے۔ بعد میں ایک زمانے تک سیاست میں بھی الجھے رہے لیکن جلد ہی خود کو سیاست سے الگ کر کے اپنی تاریخ کی تالیف میں منہمک ہو گئے۔ قلعہ ابن سلامہ (توعزوت) میں ۷۸۰ھ تک قیام کیا اس کے بعد تیونس اور وہاں سے مکہ، اسکندریہ اور قاہرہ چلے گئے اور وہاں جامع ازہر میں درس وتدریس میں لگ گئے اور ۸۰۱ھ میں آپ کو قاہرہ میں عہدۂ قضا دیا گیا۔ دو سال اس عہدہ پر رہے کہ سلطان الناصر (والی دمشق) نے تیمور کے خلاف پیش قدمی کی تو وہ بھی بادشاہ کے ساتھ ہو گئے، وہاں سے لوٹ کر پھر سابقہ عہدہ پر آخر عمر تک رہے اور ۱۴۰۶ء میں قاہرہ میں انتقال ہوا۔

❀❀❀

یعقوب سروش

ابلیس کی مجلس شوریٰ

تاریخی پس منظر:

شاعرِ مشرق علامہ اقبال نے یہ تصوراتی نظم ۱۹۳۶ء میں لکھی تھی جیسا کہ ۱۹۱۷ء کی کوکھ سے اکتوبر انقلاب نے جنم لے کر روس کی شہنشاہیت و ذراریت کا خاتمہ کر دیا تھا، ۱۹۲۲ء میں فاشزم اور نازی ازم نے اٹلی اور جرمنی میں آنکھیں کھولی تھیں اور ۱۹۲۹ء میں آمریت نے پرتگال کو اپنی گرفت میں لے لیا تھا فاشزم ہو یا نازی ازم، کمیونیزم ہو یا سیکولرزم یہ سب ایسی تحریکیں تھیں جو سرمایہ دارانہ نظام حکومت اور موروثی شہنشاہیت کے ردِعمل کے طور پر عالم ظہور میں آ رہی تھیں۔

نظم کا مطالعہ:

اس نظم کا مرکزی کردار ابلیس ہے جو اپنی بے جا جسارت، بلند آہنگ طمطراق اور لن ترانیوں کی گھن گرج سے اپنی آواز کے حجم اتنا پھیلا دیتا ہے کہ جیسے وہ سامعین کے پورے وجود پر چھا جانا چاہتا ہو۔ ابلیس کے پانچوں مشیر دراصل اسی کی شخصیت کے پرتو ہیں جو مختلف نظامہائے حکومت پر آزادانہ رائے زنی کرتے ہیں۔

ابلیس کا افتتاحی خطبہ:

اپنے افتتاحی کلمات میں ابلیس اپنے مشیروں کو آگاہ کرتا ہے کہ جس خالق کائنات نے ''کن''

کے ایک ذرا سے اشارے پر اپنی رحمت کاملہ کو آشکار کرنے کے لئے یہ دنیا ایجاد کی تھی اور انسان کو اپنے خلیفہ کی حیثیت سے وجود بخشا تھا، اب وہ خود اس جہاں کہن کو زیر وزبر کرنا چاہتا ہے۔ نخوت و تکبر سے بھرپور لہجہ میں ابلیس اپنے کاموں کو گناتا ہے کہ اسی نے مسجد، مندر اور گرجا کی تقدیس کو ختم کر کے سیکولرزم کے نظریہ کو فروغ دیا۔ مفلسو اور ناداروں کو تقدیر پرستی کے بھنور میں ایسا پھنسا دیا کہ ان کے جوش عمل اور گرمی کردار کا جوہر گرانمایہ شل ہو کر رہ گیا۔ سرمایا داروں کو زر پرستی کا ایسا سبق پڑھا دیا کہ عوام کا جبر واستحصال روزمرہ کا معمول بن گیا۔ یورپ کے صنعتی اور عوامی انقلاب کے بلند آہنگ نعروں نے ایسا سیاسی انارکزم پیدا کر دیا کہ انسان اب ان ہنگاموں کی رستاخیزی سے بچ کر نہیں نکل سکتا۔ اس کا سبب بتاتے ہوئے وہ کہتا ہے۔

کون کر سکتا ہے اسکی آتشِ سوزاں کو سرد
جس کے ہنگاموں میں ہو ابلیس کا سوز دروں
جس کی شاخیں ہوں ہماری آب یاری سے بلند
کون کر سکتا ہے اس نخلِ کہن کو سرنگوں

مشیروں کا اظہار خیال:

پہلا مشیر ابلیس کے سارے دعوں کی تصدیق کرتے ہوئے کہتا ہے کہ ابلیسی نظام اتنا محکم و استوار ہے کہ عوام، خوئے غلامی میں پختہ ہو چکے ہیں اور بالاتر قوتوں کے آگے سربسجود ہونا ان کی تقدیر بن چکی ہے ان کے دلوں میں اب کوئی امنگ، کوئی آرزو نہیں پیدا ہو سکتی۔ اگر کبھی پیدا ہو جاتی ہے تو خام ہی رہتی ہے یا اپنی موت آپ مر جاتی ہے۔ اقبال کے ہاں آرزوں کا پے در پے ابھرنا زندگی کی نشو ونما کے لئے ایک لازمی عنصر ہے اگر یہ عمل رک جائے تو وہ اسے موت قرار دیتے ہیں۔ پہلا مشیر سلسلۂ کلام کا جاری رکھتے ہوئے کہتا ہے کہ ملوکیت کا خواب صرف اہل فرنگ کی حد تک ہی نہیں رہا بلکہ صوفی اور ملا بھی ملوکیت کے طلسم ہوشربا میں گم ہو چکے ہیں۔ کلام اقبال میں، صوفی، ، انفعالیت اور ملا ریا کاری اور کوتاہ اندیشی کے علامات کے طور پر استعمال

ہوتے ہیں امر واقعہ یہ ہے کہ اسلام، ملوکیت کے مغربی تصور کا مخالف ہے لیکن جب صوفی اور ملا اس طلسم میں گرفتار ہو جائیں تو ان دونوں نمائندہ شخصیتوں کے زیر اثر سارے مسلم عوام مذہب کی حقیقی روح سے بے گناہو کر جاتے ہیں اگر چہ کہ ارکان اسلام کے عملی شواہد موجود رہتے ہیں۔
مسلمانوں کی حقیقت سے محرومی کا اظہار کرتے ہوئے پہلا مشیر کہتا ہے۔

ہے طواف و حج کا ہنگامہ اگر باقی تو کیا
کند ہوکر رہ گئی مومن کی تیغ بے نیام
کس کی توحیدی پہ حجت ہے۔ یہ فرمان جدید
ہے جہاد اس دور میں مردِ مسلماں پر حرام

دوسرے مشیر کے اس استفسار پر کہ کیا وہ جمہوریت کے تازہ فتنہ سے واقف ہے، پہلا مشیر جواب دیتا ہے کہ شاہی اب نئے جمہوری لباس میں جلوہ گر ہو رہی ہے۔ نظریاتی اعتبار سے جمہوریت میں معاملات سلطنت وریاست کا انحصار میر وسلطان پر نہیں ہوتا بلکہ سماجی امتیازات کی دیواروں کو گرادینے والی مساوات اور عالمی برادری کے عقیدہ پر ہوتا ہے لیکن عملی طور پر جمہوریت کے سارے دعوے باطل اور خود فریبی کے سوا کچھ بھی نہیں کیونکہ جن سیاسی پارٹیوں نے جمہوریت کا پرچم بلند کیا ہے وہ اپنی بالادستی کا مظاہرہ، عوام کے بے دھڑک استحصال کے ذریعہ کرتے ہیں اس کا ظاہر بہت خوبصورت اور دلفریب ہے لیکن نقاب ہٹادیا جائے تو وحشت و بربریت برپا کرتے ہیں۔
تیسرا مشیر اس انقلابِ عظیم کی طرف اشارہ کرتا ہے جس نے سرزمینِ روس میں ملوکیت، استعماریت اور جمہوریت پر کاری ضرب لگائی تھی کیمونسٹ انقلاب کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے وہ کہتا ہے کہ اشتراکیت کے معاشی اور عمرانی نظریوں کی قبولیت عامہ کی وجہ سے تہذیب مغرب کا روزِ حساب قریب آ گیا ہے۔
شاعر نے تلمیحات و استعارات کے ذریعہ اس بند کو شعریت و بلاغت کے نقطۂ عروج پر پہنچا دیا ہے۔۔کارل ماکس کو بغیر تجلی کا موسیٰ اور بغیر صلیب کا مسیح کہنا ''داس کیا پٹیل'' کو کتاب کہنا اور اس کے مصنف کے پیغمبر ہونے کی نفی کرنا۔ غلاموں، غریبوں اور مزدوروں نے آقاؤں کے محلات

میں جو اضطراب اور رستاخیزی برپا کی ہے اسے روز حساب سے تشبیہ دینا۔ یہ سب شاعری جزویت از پیغمبری کی شاندار مثال ہے۔

چوتھا مشیر فاشزم کو جو رومتہ الکبریٰ (اٹلی) میں معرضِ وجود میں آیا تھا، جولیس سیزر کی روح کی ایک نئی تعمیر قرار دیتا ہے۔ لیکن تیسرا مشیر جس نے کمیونزم کے آگے جبین نیاز ٹیک دی تھی، فاشزم کے غلغلے میں کوئی آسودگی نہیں محسوس کرتا۔

پانچواں مشیر ابلیس کی ہمہ گیری کا تذکرہ کرتے ہوئے کہتا ہے کہ اس جہانِ رنگ و بو کی ساری چہل پہل اور ساری گرمیاں ابلیس کے سوزِ نفس کے فیضان کی بدولت ہیں۔ ظلم و جہل کا مرکب انسان ابلیس کے آگے زانوئے تلمذ تہہ کر کے دانائے راز بن سکا ہے ابلیس تو وہ ہے جو خدا سے بڑھ کر انسانی فطرت کے پیچ و خم کا واقف کار ہے وہ انسان کی نبض پر ہاتھ رکھ کر اسے اپنے راستوں پر چلا کر گمراہ کرنے کا ہنر خوب جانتا ہے۔ لیکن اس مشیر کو کمیونسٹ انقلاب سے خوف بھی لاحق ہے جو ایک مشتِ خاک کی طرح سرزمین روس سے اٹھا اور ابلیس کے تراشے ہوئے سارے نظامہائے کہن کو خس و خاشاک کی طرح بہالیجا رہا ہے۔

ابلیس کا کلیدی خطبہ:

ابلیس اپنے آپ کو مغربی تہذیب کا سب سے بڑا معمار، اس کی اقتدار حیات کا محافظ اور اس کی سلیت اور فوقیت کا سب سے بڑا نقیب سمجھتا ہے۔ اپنے آفریدہ نظامہائے سیاست کو مستحکم اور ناقبل شکست گردانتا ہے وہ اعلان کرتا ہے کہ یہ اشتراکی کوچہ گرد اسے ہراساں نہیں کر سکتے۔ کیونکہ اسے اصل خطرہ کمیونزم سے نہیں بلکہ اس امت سے ہے جو پیغمبر صحرا کی روشن تعلیمات کو اپنے خون میں حل کر چکی ہے۔ اگر ایمان کا وہ شرارہ جو اس امت کی خاکستر میں ہے شعلہ جوالا میں بدل جائے تو سارے نظام مہائے فکر و سیاست واوہام باطل کی طرح بے نام ونشان ہو کر رہ جائیں گے۔ وہ کہتا ہے۔

ہے اگر مجھ کو خطرہ کوئی تو اس امت سے ہے

ابلیس کی مجلس شوریٰ

جس کی خاکستر میں ہے اب تک شرار آرزو
خال خال اس قوم میں ابتک نظر آتے ہیں وہ
کرتے ہیں اشکِ سحرگاہی سے جو ظالم وضو
جانتا ہے جس پہ روشن باطنِ ایام ہے
مزدکیت فتنہ فردا نہیں اسلام ہے

ابلیس امت محمدی کی کوتاہیوں سے بخوبی واقف ہے۔ وہ کہتا ہے کہ اب یہ امت حامل قرآن ہونے کے بجائے سرمایہ دارنہ نظام میں اپنی پناہ گاہیں ڈھونڈھ رہی ہے۔ لیکن اسے یہ خدشہ بھی ہے کہ دنیا کے اس انتشار کا کہیں یہ نتیجہ نہ نکلے کہ دنیا کا رجحان اسلامی اقدارِ حیات کی طرف ہو جائے۔ وہ آئین پیغمبر سے سو بار پناہ مانگتا ہے کیونکہ وہ حافظ ناموسِ زن ہے مساوات کا علمبردار ہے زراندوزی کا مخالف ہے اور دولت مند کو دولت کا امین بناتا ہے۔ وہ آئین زمین کو اللہ کی ملکیت قرار دیتا ہے جس سے بندگانِ خدا استفادہ کا حق رکھتے ہیں۔ ابلیس پھر اپنے آپ کو یہ کہکر تسلی دیتا ہے کہ مومن خود محروم یقین ہے اس لئے وہ آرزو کرتا ہے کہ اس خدا اندیش کی تاریک رات کبھی روشن نہ ہو۔ وہ اسی طرح الہیات کے مسائل اور کتاب اللہ کی تاویلات میں الجھا رہے۔ ابلیس اپنے مشیروں کو آگہی دیتا ہے کہ ابلیسی نظاموں کی خیر اسی میں ہے کہ وہ تاقیامت غلام رہے اور جہانبانی کو دوسروں کے حق میں چھوڑ دے۔ لیکن ابلیس اپنی بصیرت کی بنا پر بار بار خطرہ کی اس گھنٹی کو سنتا ہے کہ اگر یہ خوابیدہ قوم بیدار ہو جائے تو یہی جہان نو کی تعمیر کرے گی۔ وہ کہتا ہے۔

ہر نفس ڈرتا ہوں اس امت کی بیداری سے میں
ہے حقیقت جس کے دیں کی احتساب کائنات
مست رکھو ذکر و فکر صبح گاہی میں اسے
پختہ تر کردو مزاج خانقاہی میں اسے

(نوٹ:۔ اسلوب احمد انصاری کی کتاب ،،اقبال کی تیرہ نظمیں،، سے استفادہ)

مولانا ابوالکلام آزاد

محبت کا ایک لمحہ

بغداد میں جس طرح حضرت جنید بغدادیؒ کی بزرگی اور درویشی کی شہرت ہے اسی طرح ابن ساباط کی چوری اور عیاری بھی مشہور ہے، پہلی شہرت نیکی ہے اور دوسری شہرت بدی۔

دس برس سے ابن ساباط مدائن کے محبس میں قید تھا۔ اس کے خوفناک حملوں سے لوگ محفوظ ہو گئے تھے تاہم اس کی عیاری اور مکاری کے افسانے لوگ بھولے نہیں تھے۔ اس دس برس کے اندر کتنے ہی ابن ساباط پیدا ہو گئے، مگر پرانے ابن ساباط کا کوئی مقابلہ نہ کر سکا۔ بغداد والوں کے خیال میں وہ جرائم کا شیطان اور برائیوں کا عفریت تھا۔ ابن ساباط کے خاندانی حالات لوگوں کو بہت کم معلوم ہوں گے، جب وہ پہلی مرتبہ سوق التجارین میں پکڑا گیا اور کوتوالی میں اس کے حالات کی تفتیش کی گئی تو معلوم ہوا کہ یہ بغداد کا باشندہ نہیں ہے۔ اس کے ماں باپ حمص سے ایک قافلے کے ساتھ آرہے تھے۔ راہ میں بیمار پڑ گئے قافلے والوں کو رحم آیا اور بغداد پہنچا دیا۔ گرفتاری کے وقت اس کی عمر پندرہ سولہ برس کی تھی، چبوترے پر لٹا کر تازیانے مارے گئے اور چھوڑ دیا گیا، اس پہلی سزا نے طبیعت پر کچھ اور رنگ چڑھا دیا۔ وہ اب تک ڈرپوک تھا لیکن اچانک ایک دلیر مجرم کی روح اس کے اندر آ گئی تھوڑے دنوں کے اندر وہ ایک پکا اور عیار جرائم پیشہ بن گیا۔ کچھ دنوں بعد جب ابن ساباط کی دست درازیاں حد سے زیادہ بڑھ گئیں تو حکومت خصوصیت کے ساتھ اس پر کڑی نگرانی رکھنے لگی۔

آخر ایک دن گرفتار کرلیا گیا۔ عدالت نے فیصلہ دیا کہ ایک ہاتھ کاٹ ڈالا جائے، حکم فوراً تعمیل ہوئی اور جلاد نے اس کا ہاتھ کاٹ ڈالا، اس کا ہاتھ کٹنا کوئی کٹنا نہ تھا بلکہ سینکڑوں نئے ہاتھوں کو اس کے شانے سے جوڑ دینا تھا، دنیا کے سارے شیطان اور عفریت اس واقعے کے انتظار میں تھے، جونہی اس کا ہاتھ کاٹا گیا انھوں نے اپنے سینکڑوں ہاتھ اس کے حوالے کر دیئے۔ اس نے تمام عراق کے چوروں اور عیاروں کو جمع کر کے ایک اچھا خاصا جتھا بنالیا اور فوجی انداز میں لوٹ مار شروع کر دی۔ تھوڑے ہی عرصے کے اندر اس کے دلیرانہ حملوں نے تمام عراق میں تہلکہ مچادیا۔ وہ ڈاکے ڈالتا محل اور سرایوں میں نقب لگاتا سرکاری خزانے لوٹ لیتا اور یہ سب اس ہوشیاری کے ساتھ کرتا کہ اس پر یا اس کے ساتھیوں پر کوئی آنچ نہ آتی۔

مگر یہ بات کب تک چھپی رہتی۔ آخر وہ وقت آ گیا کہ اُسے تیسری بار قانون کے ہاتھوں مجبور ہونا پڑا، ایک موقع پر جب اس نے اپنے تمام ساتھیوں کو بحفاظت نکال دیا اور خود بھاگنے کی تیاری کر ہی رہا تھا کہ گرفتار کرلیا گیا۔ اس مرتبہ وہ ڈاکو کی حیثیت سے گرفتار کرلیا گیا تھا۔ اس کی سزا موت تھی، جب اس نے دیکھا کہ جلاد کی تلوار سر پر چمک رہی ہے تو وہ تیار ہو گیا کہ وہ اپنے بچاؤ کے لیے اپنے ساتھیوں کی جان قربان کر دے۔ لہٰذا اس نے عدالت سے درخواست کی کہ اگر اسے قتل کی سزا نہ دی جائے تو وہ اپنے جتھوں کے تمام چوروں کو گرفتار کرا دے گا، عدالت نے درخواست منظور کرلی اور وہ سزائے موت سے بچ گیا۔

گرمیوں کا موسم ہے آدھی رات گذر چکی ہے، دجلہ کے کنارے کرخ کی آبادی نیند کی آغوش میں اور رات کی تاریکی میں گم ہے، اچانک تاریکی میں ایک متحرک سایہ نمودار ہوتا ہے، سیاہ لبادے میں لپٹا ہوا ایک آدمی خاموشی کے ساتھ جا رہا ہے یہ کون ہوسکتا ہے؟ یہ ابن ساباط ہے جو دس برس کی طویل زندگی قید میں بسر کر کے کسی طرح بھاگ نکلا ہے اور نکلتے ہی اپنا قدیم پیشہ شروع کر رہا ہے۔

کچھ دور چل کر اس نے دیکھا ایک احاطہ کی دیوار دُور تک چلی گئی ہے کرخ کے اس علاقے میں زیادہ تر اُمراء کے باغ سوداگروں کے گودام تھے۔ اس نے خیال کیا کہ یہ احاطہ یا تو کسی امیر کا باغ ہے یا کسی سوداگر کا گودام ہوسکتا ہے اس نے آہستگی سے دروازے پر ہاتھ رکھا لیکن اسے تعجب

ہوا کیوں کہ دروازہ اندر سے بند نہ تھا۔ وہ اندر داخل ہوا اندر سامانِ راحت وزینت میں سے کوئی چیز نہ تھی۔ قیمتی اشیاء کا نام ونشان نہ تھا، صرف ایک کھجور کی چٹائی اور ایک چمڑے کا تکیہ پڑا تھا۔ البتہ ایک گوشے میں موٹے کپڑے کے تھان بے ترتیب پڑے تھے۔ اس نے جلدی سے ایک تھان کھول کر فرش پر بچھایا۔ پھر کوشش کی کہ زیادہ سے زیادہ تھان باندھ لے لیکن ایک ہاتھ نہ ہونے کی وجہ سے پریشانی میں مبتلا ہو گیا۔ بہت کوشش کی لیکن گٹھری بندھ نہ سکی، اچانک وہ چونک پڑا۔ اس نے دیکھا کہ ایک آدمی ہاتھ میں شمع دان لیے کھڑا ہے، خوف ودہشت سے اس کا خون منجمد ہو گیا۔ آنے والے شخص کے سر پر ایک لمبی عبا، سر پر سیاہ اور اونچی ٹوپی اور قد قشادہ تھا جسم نہایت کمزور اور نہایت نحیف ہونے پر بھی اس کا چہرہ کچھ عجیب تاثیر رکھتا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے ہڈیوں کے ایک ڈھانچے پر ایک شاندار اور دل آویز چہرہ جوڑ دیا گیا ہو اور ایسا دل آویز اور شیریں تبسم جس کی موجودگی انسانی روح کے سارے اضطراب اور خوف کو دُور کر دے۔ اجنبی کے چہرے پر موجود تھا، اجنبی نے شمعدان کو ایک طرف رکھ کر ایک ایسی آواز میں جو شفقت اور ہمدردی سے بھری ہوئی تھی، ابن ساباط سے کہا۔ ”میرے دوست! تم پر خدا کی سلامتی ہو، جو کام تم کرنا چاہتے ہو یہ بغیر روشنی اور ایک رفیق کے انجام نہیں پا سکتا۔ روشنی میں ہم سہولت اور اطمینان سے یہ کام انجام دے لیں گے؟ پھر اس نے کہا۔ ”میں دیکھ رہا ہوں کہ تم بہت تھک چکے ہو، تمہاری پیشانی پسینے سے تر ہو رہی ہے اس لیے تم چٹائی پر بیٹھ جاؤ، میں تمہارا ادھورا کام پورا کیے دیتا ہوں“۔ اس نے گٹھری کھول دی جو ابن ساباط نے باندھی تھی اور جس قدر تھان موجود تھے ان سب کو حصوں میں تقسیم کر دیا: ایک میں کم اور ایک میں زیادہ۔ پھر دونوں کی الگ الگ گٹھری باندھی پھر اچانک اسے خیال آیا، اس نے اپنی عبا اتار ڈالی اور اسے بھی گٹھری کے اندر رکھ دیا اور ابن ساباط سے کہا۔ ”میرے دوست تمہارے چہرے کی پژمردگی سے معلوم ہوتا ہے کہ تم بھوکے بھی ہو، بہتر ہوگا کہ دودھ کا ایک پیالہ پی لو“۔

اجنبی کی شخصیت کی تاثیر کے سامنے اس کی شخصیت مغلوب ہو گئی۔ لیکن آہستہ آہستہ اس کا دماغ اپنی اصلی حالت میں آ گیا اور وہ اُس روشنی میں معاملہ کو دیکھنے لگا جس میں ہمیشہ دیکھنے کا عادی تھا۔

محبت کا ایک لمحہ

ابن ساباط نے اپنے دل میں کہا یہ مکان کا مالک نہیں ہے کیونکہ مکان کے مالک کبھی چوروں کا اس طرح استقبال نہیں کرتے۔ پھر یہ شخص کون ہے؟ یقیناً یہ بھی کوئی میرا ہم پیشہ آدمی ہے اور اسی نواح میں رہتا ہے اتفاقات نے آج ہم دونوں چوروں کو ایک ہی مکان میں جمع کر دیا۔

جب ابن ساباط نے دودھ پی لیا تب دونوں نے اپنی اپنی گٹھری اٹھائی اور باہر نکلے، اجنبی کی پیٹھ جو پہلے سے ہی خم تھی، اب گٹھری کے بوجھ سے اور زیادہ جھک گئی تھی۔ رات کی تاریکی میں بھاری بوجھ اٹھا کر چلنا نہایت دشوار تھا لیکن ابن ساباط میں قدرتی طور پر جلدی تھی، وہ حاکمانہ انداز میں بار بار کہتا کہ جلدی چلو۔ اجنبی حکم کی تعمیل کی پوری کوشش کرتا لیکن بھاری بوجھ اٹھا کر چلنا اس کی قوت سے باہر تھا۔ کئی مرتبہ ٹھوکریں لگیں بوجھ گرتے گرتے بچا۔ ایک ٹیلے کے قریب جہاں چڑھائی تھی جسم کمزور اور تھکا ہوا تھا، بوجھ بے حد بھاری، اجنبی سنبھل نہ سکا اور گر پڑا، وہ اٹھنے کی کوشش کر ہی رہا تھا کہ اوپر سے ایک سخت لات پڑی۔ یہ ابن ساباط کی لات تھی، اجنبی ہانپتا ہوا اٹھا۔ اس کے چہرے پر درد کی شکایت کی جگہ شرمندگی کے آثار تھے۔ اس نے فوراً گٹھری اٹھا کر پیٹھ پر رکھی اور روانہ ہوا۔

اب دونوں ایک ایسے حصے میں پہنچے جو بہت کم آباد تھا جہاں ایک نامکمل عمارت کا پُرانا شکستہ احاطہ تھا، ابن ساباط نے احاطہ کے اندر پہنچ کر اجنبی سے بوجھ اتارنے کو کہا اور خود ایک پتھر پر بیٹھ گیا، یکا یک اجنبی آگے بڑھا اور کہا۔

''میرے عزیز دوست! میں نے اپنی خدمت پوری کر دی۔ اب میں تم سے رخصت ہوتا ہوں۔ اس کام کے کرنے میں جو مجھ سے سستی اور کمزوری ظاہر ہوئی اس کی وجہ سے تم کو پریشان ہونا پڑا۔ اس کے لیے میں شرمندہ ہوں اور معافی چاہتا ہوں، لیکن قبل کے میں تم سے رخصت ہوں تمھیں بتا دینا چاہتا ہوں کہ میں وہ نہیں ہوں جو تم نے خیال کیا تھا، میں اسی مکان میں رہتا ہوں جہاں آج تم سے ملاقات ہوئی تھی، یہ میری عادت ہے کہ رات کو تھوڑی دیر کے لیے اس کمرے میں جاتا ہوں۔ آج آیا تو دیکھا کہ تم اندھیرے میں اکیلے ہو اور تکلیف اٹھا رہے ہو۔ عزیز! تم میرے گھر میں مہمان تھے افسوس کہ آج اس سے زیادہ تواضع اور خاطر نہ کر سکا۔ آئندہ

ضرورت ہو تو بلا تکلف اپنے رفیق کے پاس آسکتے ہو، خدا کی سلامتی اور برکت ہمیشہ تمہارے ساتھ رہے، اچھا خدا حافظ"۔

آج رات کل رات والی گٹھری سامنے پڑی ہے اس کی نظریں اس طرح ان پر گڑی ہیں گویا ان کی شکنوں کے اندر رات والے رفیق کو ڈھونڈ رہی ہیں۔ اس کی ساری عمر گناہ اور سیاہ کاری میں بسر ہوتی تھی۔ اس نے انسان کی نسبت جو کچھ سنا اور دیکھا تھا وہ یہی تھا کہ انسان خودغرضی کا پتلا اور نفس پرستی کی مخلوق ہے، وہ نفرت سے منہ پھیر لیتا ہے۔ بے رُخی سے ٹھکرا دیتا ہے لیکن وہ یہ نہیں جانتا تھا کہ انسان محبت بھی کرتا ہے اور اس میں فیاضی اور قربانی کی روح بھی ہوسکتی ہے۔ بچپن میں اس نے بھی خدا کا نام سنا تھا، لیکن جب زندگی کی کشاکش کا میدان کھلا تو اس کا عالم ہی دوسرا تھا۔ حالات کی رفتار جس طرح بہالے گئے وہ بہہ گیا، نہ تو خود ہی اسے مہلت ملی کہ وہ خدا پرستی کی طرف متوجہ ہوتا اور نہ کسی نے اس کی ضرورت ہی محسوس کی۔ دراصل بات یہ تھی کہ وہ انسانی ماحول سے دور تھا لیکن اب اس کے سامنے سے پردہ ہٹ چکا تھا۔ آسمان کے سورج کی طرف محبت کا بھی ایک سورج ہوتا ہے، جب وہ چمکتا ہے تو روح اور دل کی ساری تاریکیاں دور ہوجاتی ہیں۔ اسی سورج کی کرن ابن ساباط کے دل کے ایک گوشے میں پڑی تھی اور وہ تاریکی سے نکل کر روشنی میں آگیا تھا۔ وہ کرخ کے اس حصہ میں پہنچا جہاں وہ کل رات گیا تھا، مکان کے پہچاننے میں دقت نہ ہوئی، ایک لکڑ ہارے سے دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ یہ مکان کسی تاجر کا نہیں ہے اور نہ کسی امیر کا بلکہ شیخ جنید بغدادیؒ کا ہے، ابن ساباط اس نام سے بے خبر نہ تھا، لیکن وہ حضرت جنیدؒ کا صورت سے آشنا تھا۔ وہ مکان کی طرف چلا، مکان کا دروازہ کھلا تھا، اندر جھانک کر دیکھا تو وہی رات والی چٹائی اور تکیہ رکھا تھا، تکیہ سے سہارا لگائے وہ اجنبی بیٹھا ہے، تیس چالیس آدمی سامنے بیٹھے ہیں۔ اجنبی کوئی تاجر نہیں بلکہ جنید بغدادیؒ تھے، اتنے میں عشاء کی اذان ہوئی اور سب لوگ جانے کے لیے اٹھے تو ابن ساباط دروازے سے ہٹ گیا، جب سب لوگ جاچکے تو شیخ بھی اٹھے لیکن جوں ہی دروازہ کے باہر قدم رکھا ایک شخص ان کے قدموں پر گر پڑا اور لپٹ گیا، شاید وہ ندامت کے آنسوان کے قدموں پر بہا رہا تھا، یہ ابن ساباط تھا۔

شیخ نے شفقت سے اس کا سراو پر اٹھایا اور وہ کھڑا ہو گیا۔ نگاہیں ملیں اور زبان نہ کھل سکی، اس کی ضرورت بھی کیا تھی جب نگاہوں کی زبان کھل جاتی ہے تو منہ کی زبان کی ضرورت نہیں رہتی ہے وہ عیار ابن ساباط جنید بغدادیؒ کی صحبت میں ایک کامل انسان کی طرح زندگی بسر کر رہا تھا۔

اس واقعہ پر کچھ عرصہ گزر گیا شیخ احمد ابن ساباط کا شماران فقراء میں ہوتا ہے جو سب میں پیش پیش ہیں۔ ابن ساباط کا نام ایک کامل بزرگ کی حیثیت رکھتا ہے ابن ساباط نے وہ راہ چند لمحوں میں طے کی جو دوسرے برسوں میں بھی طے نہ کر سکے۔

ابن ساباط کو چالیس برس تک دنیا کی دہشت انگیز سزائیں نہ بدل سکیں مگر محبت اور قربانی کے ایک لمحے نے اسے چور سے اہل اللہ بنا دیا۔
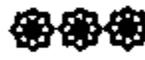
❀❀❀

مولانا عبدالماجد دریابادی مرحوم

موت سے غفلت

آپ کے تعلقات اگر وسیع نہیں تو بھی اب تک آپ کے کتنے دوست، عزیز آپ کی نظروں کے سامنے اس دنیا سے کوچ کر چکے ہیں۔ کیسے کیسے توانا وتندرست جوان۔ کیسے کیسے ورزشی، کسرتی پہلوان، کیسے کیسے نوعمر و نازک اندام نونہال۔ کیسے کیسے ہنستے کھیلتے بچے جن کی موت آپ کے وہم وگمان میں بھی نہیں آئی ہوگی۔ دیکھتے ہی دیکھتے چل بسے ہیں۔ نامور علماء جن کے علم و فضل کی شہرت سے ملک کی فضاء گونج رہی تھی۔ ممتاز مصنفین جن کے قلم کی ایک ایک سطر کے لیے شوق وعقیدت کی آنکھیں کھلی رہتی تھیں۔ مشہور سردارانِ قوم جن کے ہر ہر نقش قدم کو آنکھوں سے لگانے کے لیے کروڑوں عقیدت مند منتظر رہتے تھے مقدس بزرگانِ دین جن کے زہد وتقویٰ پر انسانیت کو ناز تھا۔ پیلتن جو رستم وسہراب کا نام روشن کئے ہوئے تھے۔ محبت کرنے والے شوہر، جان نثار کرنے والی بیوی، مامتا کی ماری ماں، سعادت مند فرزند، خدمت گزار بیٹی، جگری دوست ان سب کے لیے بے شان وگمان یک بیک اُٹھ جانے کی دردناک اور جگر خراش مثالیں کثرت سے آپ کی نظر سے گزر چکی ہیں۔

پھر یہ کیا ہے کہ یہ سب کچھ دیکھنے کے بعد بھی آپ بدستور اسی طرح غفلت، بیفکری اور بے حسی میں پڑے ہوئے ہیں۔ آپ زبان سے اقرار کرتے ہیں کہ موت کا کوئی وقت مقرر نہیں ہے۔ ہر جگہ، ہر وقت، ہر لمحہ، ہر گھڑی ہر انسان کو موت کا نہ ٹلنے والا پیام پہونچ سکتا ہے لیکن اپنے

دل میں موت کو آپ کبھی اپنے قریب نہیں پاتے، موت جب قریب آ پہنچتی ہے تو نہ نوجوان کو چھوڑتی ہے نہ بوڑھے کو نہ بچے کو، نہ نیک کو نہ بد کو۔ دوسروں کی مثالیں دیکھ کر مجبوراً آپ کو یہ کلیہ قائم کرنا پڑتا ہے۔ لیکن اس کلیہ سے اپنی ذات گرامی، اپنے وجود عزیز۔ اپنی جان شیریں کو آپ مستثنیٰ کر لیتے ہیں۔ فلاں امتحان فلاں سال پاس کریں گے، فلاں سال تک اتنا روپیہ جمع کرلیں گے، فلاں سال لڑکی کی شادی کریں گے، فلاں سال آپ سفر کریں گے، فلاں سال فلاں عہدہ سے پنشن لیں گے، فلاں سال اس قدر جائداد خریدیں گے، فلاں سال کاروبار سے اتنا نفع حاصل کرلیں گے۔

موت اور پھر بے وقت، موت کی گرم بازاری آپ ہر وقت دیکھتے ہیں، لیکن پھر آپ کا ذہن ہر وقت اسی قسم کے منصوبے باندھتا رہتا ہے.... قریب آرہا ہے وہ جب آپ دوسروں کے مکان پر نہیں دوسرے آپ کے مکان پر آپ کی تعزیت کے لیے جمع ہوں گے، آپ کا بے حس وحرکت برف سے ٹھنڈا جسم کھڑے تخت پر غسل کے لیے پڑا ہوگا، جب آپ اس درجہ بے بس ہوجائیں گے کہ خود بے کسی اور بے بسی کو بھی آپ پر رحم آجائے گا، جب آپ کے بچے آپ کا بلبلا کر پکاریں گے اور آپ اشارہ تک نہ کرسکیں گے، جب آپ کی پیاری بیوی آپ کے غم میں روتی روتی دیوانی ہوجائے گی آپ اس کا ایک آنسو بھی خشک نہ کرسکیں گے، جب آپ کے بوڑھے والدین پچھاڑیں کھا کھا کر گریں گے اور آپ انھیں مطلق تسلی نہ دے سکیں گے، جب آپ کا جسم چارپائی پر ڈال کر اٹھایا جائے گا، جب دوسرے آپ کی نماز پڑھیں گے، جب آپ ایک تنگ وتاریک گڈھے میں ڈال دیئے جائیں گے، جب آپ ہزاروں من مٹی کے نیچے دبے ہوں گے۔

قریب آرہا ہے وہ وقت بہت قریب آگئی ہے وہ گھڑی، آپہونچی ہے وہ نہ مٹنے والی ساعت! تو کیا آپ اپنی دلچسپ، شگفتہ مجلسوں میں پُر بہار طرب انگیز محفلوں میں رنگین وپُر لطف جلسوں میں کبھی بھی اس وقت کو جب ان چہچہوں اور قہقہوں پر محض افسوس ہوگا، یاد کرلیتے ہیں۔

❀❀❀

سوال و جواب

محمد یوسف اصلاحی

☆دعوت و تبلیغ کے لیے عورتوں کا باہر نکلنا؟
☆داعی اپنے گھروں پر توجہ دیں؟
☆کیا مردوں کو اجر و ثواب زیادہ ملے گا؟

سوال: اکثر بہنوں کو ان کے والدین دعوت و تبلیغ کا کام کرنے کے لیے گھر سے نکلنے کی اجازت نہیں دیتے اور دوسروں کے یہاں آنے جانے پر روک لگاتے ہیں، اب جو بہنیں دعوت و تبلیغ کا کام کرنا چاہتی ہیں تو وہ والدین کی مرضی کے خلاف ہوگا ایسی صورت میں کیا دعوت کے لیے باہر نکلنا والدین کی نافرمانی قرار دیا جائے گا؟ (دینی بہن.....)

جواب: موجودہ خراب ماحول میں جب کہ انسانی اخلاق بہت بگڑ چکے ہیں اور ہر طرف بے حیائی اور بے شرمی عام ہے والدین کا اپنی بچیوں کی طرف سے فکر مند ہونا، اور ہر جگہ آنے جانے پر روک لگانا فطری بھی ہے اور پسندیدہ بھی والدین کی دلی خواہش ہوتی ہے کہ ان کے بچے سماج میں عزت و وقار کی زندگی گزاریں اور خاص طور پر بچیاں نیک نام اٹھیں، اور والدین ہی بچیوں کے سب سے بڑے خیر خواہ ہوتے ہیں اور ہو سکتے ہیں۔

نوعمری میں عقل خام ہوتی ہے، عیاروں اور جعلسازوں کی مکاریاں بعض اوقات سمجھ میں نہیں آتیں۔ پھر شیطان اپنی ذریت کے ساتھ ہر وقت گھات میں لگا ہوا ہے کہ نیکی کی راہ پر کوئی برائی کا شوشہ چھوڑے اور نیکی کی راہ مارے۔ ایسے میں برائیوں کی طرف جانے کی راہیں فراخ اور مواقع بے شمار ہیں اور نیکیوں کی راہ پر جانا بلکہ نیکی پر قائم رہنا دشوار ہے۔ پردے کی ڈھیل بلکہ بے پردگی کے رواج نے خطرات میں پڑ جانے کے اندیشے اور زیادہ یقینی سے بنا دیے ہیں.... اور خدانخواستہ

سوال و جواب

کوئی غلط بات غلط فہمی یا بدگمانی کی بنا پر ہی سہی پھیل جائے تو والدین کی زندگی مستقل طور پر اجیرن ہو جاتی ہے۔ زندگی صرف بے مزہ ہی نہیں ہو جاتی بلکہ مستقل مصیبت بن جاتی ہے۔ ایسی صورتِ حال میں ماں باپ اگر اپنی بچیوں کے گھومنے پھرنے اور عام طور پر لوگوں کے یہاں آنے جانے پر پابندی لگاتے ہیں تو صرف یہی نہیں کہ پسندیدہ ہے بلکہ ان کی ذمہ داری ہے، اور اس معاملہ میں انھیں ہرگز کوتاہی نہیں کرنا چاہیے۔

خدانخواستہ کسی کے کردار اور اخلاق کے بارے میں بے بنیاد ہی سہی کوئی ناروا بات پھیل جائے اور دامن پر کوئی داغ لگا دے تو آپ سوچیے سماج میں ایسے شخص کی کیا وقعت رہ جاتی ہے۔ اس داغ کے ساتھ سماج میں یوں بھی عزت و وقار کی زندگی نہیں رہتی۔ پھر بھلا ایسے شخص کی دعوت و تبلیغ کون سُنے گا، اور کون اس سے متاثر ہوگا۔ یہ خطرہ بلاشبہ یقینی نہیں ہے لیکن اپنے کو خطرات میں ڈالنے سے بچنا اور احتیاط کرنا بہر حال لازم ہے جوان سال بہنوں کو چاہیے کہ وہ ماں باپ کے روک ٹوک کو حق بجانب سمجھیں اور اس کے خلاف عمل کرنے کو ہرگز دین کا تقاضا سمجھ کر نافرمانی نہ کریں۔

رہا یہ سوال کہ تحریکی بہنیں دعوت و تبلیغ کا کام کیسے کریں اور اس فریضے کو کیسے انجام دیں تو اس سلسلہ میں یہ بات نگاہ میں رکھیں کہ دعوت و تبلیغ کا فریضہ دین نے آپ پر کچھ حدود شرائط کے ساتھ واجب کیا ہے۔ تبلیغ کا شوق اور جذبہ بلاشبہ قابل قدر ہے۔ لیکن اس شوق اور جذبۂ کے لیے ان حدود کو توڑنا ہرگز جائز نہیں جو خدا کے دین نے آپ کے لیے مقرر کی ہیں، پردے کا اہتمام بھی ضروری ہے۔ تہمت کے مواقع سے بچنا بھی ضروری ہے، جہاں بے احتیاطی اور اختلاط کا اندیشہ ہو وہاں سے کنارہ کش رہنا بھی ضروری ہے اور خراب ماحول میں آزاد گھومنے پھرنے اور ہر ایک کے یہاں بے روک ٹوک جانے سے پرہیز بھی ناگزیر ہے.... جہاں غلط بات منسوب ہو جانے کا اندیشہ ہو سکتا ہو، وہاں سے اجتناب بھی ضروری ہے۔ ہر ممکن احتیاط کے ساتھ آپ انھیں گھروں میں جائیں جہاں آپ کو جانے کے لیے والدین اطمینان کے ساتھ اجازت دیں پھر اپنے گھر، خاندان اور رشتہ داروں میں دعوت و تبلیغ کا فریضہ انجام دینے کے لیے مواقع کی کوئی کمی نہیں، بہن بھائیوں میں کام کریں، پڑوسیوں سے دعوتی روابط بڑھائیں۔ رشتہ داروں اور تعلق رکھنے والوں

میں داعی کی حیثیت سے اپنا تعارف کرائیں اور اپنے شب وروز کی زندگی اور دینی سرگرمیوں سے متعلقین کو دین کی طرف متوجہ کریں۔ البتہ کہیں خواتین کا اجتماع ہو اور ان کے ساتھ دو چار دن گزارنے کے مواقع ہوں تو اس میں شرکت کے لیے والدین سے حکمت کے ساتھ اجازت لیں بشرطیکہ آنے جانے کا کوئی محتاط بندوبست ہو..... تعلیم وتربیت دعوت وتبلیغ بلاشبہ خواتین کے لیے نہایت ضروری فریضہ ہے۔ لیکن ان تمام حدود اور احتیاطوں کے ساتھ جو اللہ نے مقرر فرمائی ہیں.... یہ ناگزیر اور ضروری نہیں ہے کہ آپ دوسروں کے یہاں جاکر ہی دعوت وتبلیغ کا کام کریں اور اسی کو دعوت وتبلیغ کا کام سمجھیں احتیاط کے ساتھ جو فطری مواقع آپ کو حاصل ہیں ان سے فائدہ اٹھائیں خدا نے اتنا ہی آپ پر فرض کیا ہے.... اور یہ بھی اسی طرح آپ کا دینی فرض ہے کہ اپنے اخلاق وکردار کو بے داغ رکھنے کا اہتمام کریں، اپنے جوہر عفت وعصمت کی حفاظت کے لیے ہر ممکن احتیاط کریں اور اس کو اپنا سب سے بڑا فرض سمجھیں۔

سوال: خدا کے شکر سے جماعت اور ایس آئی ایم کافی عرصہ سے اسلام کی خدمت کر رہی ہیں لیکن ابھی تک گھروں پر خصوصی توجہ نہیں دی ہے بعض گھر ایسے ہیں جن میں مرد تو تحریک کا کام انجام دے رہے ہیں لیکن خواتین بالکل ناواقف ہیں۔ ایسا کیوں ہے؟ (دینی بہن.....)

جواب: آپ ایک خاتون ہیں مگر آپ کے سوال سے یہ مترشح ہو رہا ہے کہ آپ یہ کہنا چاہتی ہیں کہ جن مردوں نے دعوت وتحریک کی طرف متوجہ نہیں کر رہے ہیں.... اور آپ کے نزدیک یہ مردوں کی ایک کوتاہی ہے۔ بیشک مرد قوام ہیں گھر کے سربراہ ہیں، انھیں یہ ذمہ داری سنجیدگی کے ساتھ پوری کرنی چاہیے۔ صرف اس لیے نہیں کہ اگر انھوں نے گھر کی طرف توجہ نہ کی تو وہ دعوت وتحریک کا کام یکسوئی کے ساتھ نہ کرسکیں گے اور گھر ہی ان کی راہ میں سب سے بڑا روک بن جائے گا۔ بلکہ اس سے کہیں زیادہ اہم بات یہ ہے کہ قرآن نے بہت واضح اور دوٹوک انداز میں اہل ایمان کی یہ ذمہ داری بتائی ہے کہ وہ گھر والوں کو دین کی تعلیم دیں، دین کی تربیت دیں تاکہ وہ کل جہنم کی آگ سے بچ جائیں۔

قرآن کا ارشاد ہے:

سوال و جواب

اے ایمان والو! بچاؤ، اپنی جانوں کو اور اپنے گھر والوں کو جہنم کی آگ سے جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں، جس پر تند خو اور سخت گیر فرشتے مقرر ہیں، جو ہرگز سرتابی نہیں کرتے اس حکم سے جو اللہ نے انھیں دیا ہے اور وہی کرتے ہیں جس کا ان کو حکم دیا جاتا ہے۔ (التحریم)

اس واضح حکم کا صاف اور صریح مطلب یہ ہے کہ مرد جس کو اللہ نے عائلی زندگی کا سر دھرا، اور قوام بنایا ہے۔ دوسری ذمہ داریوں کی طرح اس کی ایک اہم ذمہ داری یہ بھی ہے کہ اس کی نگرانی میں گھر کے جو لوگ دیئے گئے ہیں وہ ان کی تعلیم و تربیت کا ایسا بندوبست کرے کہ وہ خدا کے مخلص بندے بن کر رہیں، اور اسلام کے خادم بن کر جئیں، اور کل حشر کے میدان میں وہ جہنم سے نجات پانے والے صالحین میں شامل ہوں۔

مگر میں آپ سے ایک دوسری بات بھی ضرور عرض کرنا چاہتا ہوں وہ یہ کہ اگر مرد غافل اور لاپروا ہو تو یاد رکھیے عورتوں کا دین مردوں کے ذمے نہیں ہے نہ مرد عورت کی ذمہ داریوں کا جواب دہ ہوگا۔ یہ دین جس طرح مردوں کا ہے ٹھیک اسی طرح عورتوں کا بھی ہے۔ اگر عورتوں کو خدا نے شعور دیا ہے تو وہ خود توجہ کریں۔ اگر مرد اپنی ذمہ داری ادا کرنے میں غفلت برت رہے ہیں تو خواتین خود آگے بڑھ کر دعوت تحریک کو سمجھیں اور اللہ کی عائد کردہ دینی ذمہ داریوں کو پورا کریں۔ مردوں کی غفلت اور لاپروائی کو بہانہ نہ بنائیں۔ بلکہ جہاں مرد دین سے غافل ہوں عورتوں کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ انھیں متوجہ کریں اور راہِ راست پر لانے کے لیے دلسوزی، حکمت اور تسلسل کے ساتھ کوشش کریں۔

ایک مثالی گھر یا خاندان وہ ہے، جہاں مہر و محبت ہو، سلیقہ اور تہذیب ہو، خوشگوار تعلقات ہوں، باہم تعاون ہو.... مگر یہ سب کچھ اسلام کی روشنی اور دیندارانہ ماحول میں ہو، اور پورا گھر اسلام کی نمائندگی کرنے والا ہو، اس نمائندگی میں بلاشبہ سربراہی کا مقام مرد کو حاصل ہے، لیکن اس سے انکار کی کیا گنجائش کہ عورت کا رول بھی اس میں مرکزی حیثیت رکھتا ہے، ایک خاتون ہونے کی حیثیت سے آپ اس طرح سوچیں کہ بلاشبہ مرد کی ذمہ داری ہے کہ وہ گھر والوں پر توجہ دے، لیکن اسی پر تکیہ کیے بیٹھے رہنا، اور اپنی ذمہ داری محسوس نہ کرنا کسی طرح صحیح نہیں ہے، ایک خاتون کو بھی دین کی

طرف اسی طرح بطورِ خود توجہ کرنی چاہیے۔ جس طرح ایک مرد سے توقع کی جاتی ہے۔

سوال: قرآن میں مرد اور عورت دونوں کو خطاب کیا گیا ہے اور دونوں کو ان کے کیے کا بدلہ دیا جائے گا لیکن اکثر یہ سوال بھی سامنے آیا کہ خرچ کرنے کے لیے تو رقم مردوں کی ہے ایسی صورت میں ثواب کے حقدار بھی مرد ہیں۔ کیا واقعی ثواب مردوں کو زیادہ ملے گا۔ (دینی بہن....)

جواب: عورت اور مرد مرتبۂ انسانیت میں برابر ہیں، اللہ نے دونوں کو برابر رکھا ہے اور جسے ہم نوع انسانی کہتے ہیں وہ صرف مرد نہیں ہے، بلکہ مرد اور عورت دونوں ہیں، اللہ نے ایک مرد پیدا کیا اسی سے اس کا جوڑا بنایا اور ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں پھیلا دیں، یعنی کرۂ ارض پر نوع انسانی کو آباد کر دیا۔

قرآن کا یہ فقرہ ''اسی سے ہم نے اس کا جوڑا بنایا'' خاص طور پر قابل غور ہے، کسی چیز کا جوڑ یا جوڑا وہی ہوتا ہے جو واقعی اس کے برابر کا ہو اس کا جوڑ ہو، عورت مرد کا جوڑ ہے اور مرد عورت کا جوڑ ہے، یہ بھی انسان ہے وہ بھی انسان ہے، یہ بھی اشرف المخلوقات ہے وہ بھی اشرف المخلوقات ہے، سماج میں اس کی بھی عزت ہے، بلند اخلاق اور بلند مرتبے حاصل کرنے کے مواقع اس کو بھی حاصل ہیں اور اس کو بھی، اعمال کے اچھے بدلے اور اجر و ثواب مرد کو بھی ملیں گے اور عورتوں کو بھی۔

''مردوں کے لیے ان کی کمائی کا حصہ ہے اور عورتوں کے لیے ان کی کمائی کا حصہ''۔ (النساء)

البتہ یہ ایک واقعی حقیقت ہے کہ مرد اور عورت دو الگ الگ جنسیں ہیں، اور اس جنس کے فرق کے لحاظ سے دونوں کے الگ الگ وظائف اور ذمہ داریاں بھی ہیں، دونوں مل کر اور اپنے اپنے حصے کے فرائض بشوق و رغبت ادا کر کے ان فرائض کی تکمیل کرتے ہیں جو اللہ نے بحیثیت نوع انسان پر فرض کیے ہیں، مثلاً کوئی مرد یہ کہے کہ بچے کو دودھ پلانا نوع انسانی کی عظیم خدمت ہے، اور ایسا ہی اس کا اجر و صلہ ہے۔ مرد تو اس اجر و صلہ سے محروم رہ گیا، یا مرد تو میدانِ جہاد میں دین کی مدافعت کرتا ہے، اور دین کے غلبے کے لیے اپنا خون بہاتا اور جان لڑاتا ہے۔ اس کا عظیم صلہ ہے۔ عورتیں تو اس سے محروم رہ گئیں تو یہ اصل حقیقت سے ناواقفیت کی بات ہے، یہ دونوں جنس مل کر نوع انسانی بنتی ہے اور دونوں اپنے اپنے حصے کے عظیم فرائض ادا کر کے انسانی فرائض کی

تکمیل کرتے ہیں، اور دونوں اپنے فرائض کے لحاظ سے بھرپور اجر وصلہ پائیں گے۔
میدانِ جہاد میں دشمن سے لڑنا بھی عظیم عمل ہے، لیکن ان مجاہدین کے لیے رسد کا انتظام کرنا، ان کے گھروں کی حفاظت کرنا اور گھروں کی طرف سے ان کو مطمئن رکھنا بھی جہاد ہی کا ایک حصہ ہے۔ اللہ نے جس حصہ عمل کے لیے جس جنس کو مخصوص صلاحیتیں دے رکھی ہیں۔ انہی صلاحیتوں کے استعمال پر اس سے باز پرس بھی ہوگی، اور انہی کے حُسنِ استعمال پر وہ اللہ سے اجر وصلہ پائے گا۔
اس اصولی گفتگو کے بعد آپ کا یہ کہنا کہ مال تو مرد ہی کا ہے، اس لیے مال صرف کرنے پر سارا اجر و ثواب مردوں ہی کو ملے گا، تو یہ مفروضہ کلی نہیں ہے کہ مال صرف مردوں ہی کا ہے۔ اللہ نے عورت کو بھی مال پر ملکیت کا حق دیا ہے۔ اسے کاروبار اور تجارت کی اجازت ہے وہ قرآن کی صریح ہدایت کے تحت وراثت کی ٹھیک اسی طرح مالک بنتی ہے جس طرح ایک مرد بنتا ہے۔ البتہ نان نفقہ کی ذمہ داری اللہ نے مرد پر رکھ کر عورت کو یہ موقع فراہم کیا ہے کہ وہ یکسوئی کے ساتھ اپنے حصے کے فرائض انجام دے اور اسے گھریلو عظیم ذمہ داریاں ادا کرتے ہوئے روٹی روزی کی فکر پریشان نہ کرے اس لیے کہ نسل کی پرورش اور تربیت کی جو ذمہ داری اس کے حوالے کی گئی ہے، وہ روٹی روزی کمانے کے مسئلے سے کسی طرح کم اہم نہیں ہے اور یہ واقعہ ہے کہ اس کے حُسنِ تربیت کے بغیر تاریخ کو وہ انقلابی شخصیتیں نہیں مل سکتی ہیں جنھوں نے تاریخ سازی میں عظیم کردار ادا کیا ہے۔
ساتھ ہی یہ بات بھی نگاہ میں رہنی چاہیے کہ گھر کے خرچ کے لیے خاتون کو جو رقم دی جاتی ہے۔ وہ کفایت شعاری کے ساتھ گھر کا خرچ چلاتے ہوئے اگر صدقہ وخیرات بھی کر دیتی ہے تو یقیناً وہ بھی اجر کی مستحق ہوگی۔ یہ اللہ کا مزید فضل و کرم ہے۔ اسی طرح کا ایک سوال اور رسالتؐ میں ایک خاتون حضرت اسماءؓ نے کیا تھا اور رسول اکرمؐ نے اس کے جواب میں جو تسلی بخش بات فرمائی تھی وہ رہتی زندگی تک کے لیے مشعل ہدایت ہے۔
حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ ایک عورت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی، اس نے کہا: اے اللہ کے رسولؐ مجھے عورتوں نے آپؐ کے پاس اپنا نمائندہ بنا کر بھیجا ہے۔ (دیکھیے) یہ جہاد صرف مردوں پر فرض ہوا ہے اگر وہ زخمی ہو جائیں تو اجر پائیں، شہید ہو جائیں تو اپنے رب کے

پاس زندہ رہیں گے، اس کے انعامات سے فائدہ اٹھا رہے ہوں گے اور ہم عورتیں ان کے پیچھے ان کے گھر اور بچوں کی نگرانی کرتی ہیں تو ہمیں کیا اجر ملے گا؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جن عورتوں سے تم ملو ان کو یہ بات پہنچا دو کہ شوہروں کی اطاعت کرنا اور ان کے حقوق کو پہچاننا جہاد کے برابر درجہ رکھتا ہے لیکن تم میں سے بہت کم عورتیں ایسا کرتی ہیں''۔

اور طبرانی میں یہی حدیث آئی ہے جس کا مضمون یہ ہے۔

''نمائندہ عورت نے آ کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا'' مجھے عورتوں نے آپؐ کے پاس اپنا نمائندہ بنا کر بھیجا ہے، اور ہر عورت چاہے اسے معلوم ہو یا نہ ہو مگر یہ کہ وہ میرے آپؐ کے پاس آنے کو پسند کرتی ہیں۔ (دیکھئے) اللہ عورتوں اور مردوں دونوں کا آقا اور معبود ہے اور آپؐ مردوں اور عورتوں دونوں کی طرف پیغمبر بنا کر بھیجے گئے ہیں۔ مردوں پر جہاد فرض ہوا ہے (عورتوں پر نہیں)۔ اگر وہ دشمن کو ماریں تو اجر پائیں (اور غنیمت بھی ملے) اور اگر وہ شہید ہو جائیں تو اعلیٰ درجے کی زندگی اپنے رب کے یہاں پائیں اور اس کے انعامات سے فائدہ اٹھائیں۔ تو ہم کس قسم کی اطاعت گزاری کریں، جو ان کے کارِ جہاد کے برابر ہو۔

آپؐ نے بتایا ''شوہروں کی اطاعت گزاری اور اُن کی حقوق شناسی کا وہی مرتبہ ہے جو مردوں کے جہاد کا ہے، اور تم میں سے کم ہی ایسا کرنے والی ہیں''۔

یہ حدیث آپ کے سوال کا بعینہٖ جواب گو نہیں ہے لیکن اصولی حیثیت سے دراصل آپ کے جواب کا شافی جواب ہے مرد اور عورت دونوں جنسوں کو اپنے اپنے دائرہ کار میں انجام دینے ہیں.... اس پر اجر و ثواب دینے والا وہ اللہ ہے جو عالم الغیب ہے، جو دل کے بھیدوں سے واقف ہے، جو منصف ہے اور نیک اعمال پر بھرپور بدلہ دیتا ہے.... کسی کا حق کبھی نہیں مارتا ہر ایک کو نہ صرف یہ کہ اچھا بدلہ دیتا ہے بلکہ اس کے خلوص اور حالات کے لحاظ سے یہ اجر و صلہ کئی گنا بڑھا کر دیتا ہے۔

❀❀❀

سید رئیس احمد جعفری ندوی

مسلمان فرماں رواؤں کا برتاؤ غیر مسلموں سے

مسلمان فرمارواؤں کی یہ خصوصیت رہی ہے کہ انھوں نے باہمی طور پر خواہ کتنے ہی ایک دوسرے کے حقوق پامال کیے ہوں لیکن غیر مسلموں پر دست تعدی کبھی دراز نہیں کیا، بلکہ ان کے ساتھ زیادہ سے زیادہ رواداری کا برتاؤ کیا۔ حجاج بن یوسف جیسا شخص بھی جو مسلمانوں کے لیے قضائے مبرم تھا، غیر مسلموں کے لیے ابر رحمت تھا۔

مصر کے فاطمی خلفا تو رواداری میں اور غیر مسلموں کے ساتھ زیادہ سے زیادہ احسان و سلوک کرنے میں اتنے بڑھ گئے کہ امام ابنِ تیمیہ نے ان کے کفر کا فتویٰ صادر کردیا۔ سلطان ابن سعود مرحوم نے فتاویٰ ابن تیمیہ کا جو مجموعہ شائع کیا ہے اسے دیکھ کر ہمارے اس دعوے کی تصدیق کرلی جاسکتی ہے۔ جس طرح ہندوستان میں اورنگ زیب عالمگیر تعصب میں بدنام ہے، لیکن سر جادو ناتھ سرکا جیسے مسلم دشمن مؤرخ کو اس کا اعتراف کرنا پڑا کہ اس نے منادر کو بڑی بڑی جاگیریں بخشیں، اور بڑے بڑے مناصب پر ہندوؤں کو فائز کیا، اسی طرح فاطمی خلفاء میں الحاکم کا تعصب بدنام ہے لیکن امر واقعہ یہ ہے کہ اس نے غیر مسلموں کے ساتھ بہت زیادہ حسن سلوک کا برتاؤ کیا۔ موسیو لیبان نے لکھا ہے:

"جو امور عام معاشرت سے متعلق تھے مثلاً جائداد، وراثت اور نکاح وغیرہ انھیں عرب فاتحین (فاطمی خلفاء) نے اس عمدگی سے (سسلی میں) رسم و رواج ملک کے مطابق ٹھہرادیا تھا کہ نارمن (جنھوں نے سسلی مسلمانوں سے چھینا اور وہاں کے حاکم بن گئے، بالالتزام انھی قواعد کی پابندی کرتے رہے، عربوں (فاطمی خلفا) کی حکومت میں عیسائیوں کو مذہب، رسم و رواج

اور قانون کی پوری آزادی ملی۔ ایک راہب، جو پلرمو (سسلی) کے کلیسا کا قسیس ہے، لکھتا ہے کہ پادریوں کو پوری آزادی تھی کہ اپنے مذہبی مراسم بجالائیں۔ ایک دوسرا قسیس موروکول بیان کرتا ہے کہ مسینا میں فتح کے وقت جتنے عیسائی معابد موجود تھے ان کی پوری پوری حفاظت کی گئی"۔

ایک اور بہت بڑے مورخ مسٹر اسکاٹ کا بیان ہے۔

"عربی کے قصائد اور نظمیں نہ صرف پلرمو میں بلکہ ہمسایہ شہر روم میں بڑی شان اور عربی لب و لہجہ میں پڑھی جاتی تھی، مسلمان اور غیر مسلم یکساں جوش و خروش کے ساتھ داد دیتے اور تحسین و آفریں کرتے تھے" مسلمانوں نے اپنی زبان کے بارے میں بھی عصبیت نہیں برتی، انھوں نے نہایت فراخ دلی کے ساتھ صقلیہ (سسلی) کی قدیم زبانوں کو بھی زندہ اور باقی رکھا۔ چنانچہ پورے اسلامی دور میں وہاں کی قدیم زبانیں یونانی اور لاطینی رائج رہیں، ہر شخص کو آزادی تھی کہ جو زبان چاہے استعمال کرے۔ چنانچہ یہ دونوں زبانیں عوامی اور سرکاری طور پر باقاعدہ استعمال ہوتی رہیں"۔

فاطمی حکومت فرقہ پرستی سے بھی بلند تھی "تاریخ صقلیہ" کے مصنف کا بیان ہے۔

"اگرچہ صقلیہ میں تقریباً سو برس تک شیعی حکومت قائم رہی لیکن فرقہ وارانہ حیثیت سے اس کا کوئی اثر مرتب نہیں ہوا، نہ حکومت نے کبھی شیعیت کو فروغ دینے کی کوشش کی نہ رعایا نے اس کی جانب مذہبی حیثیت سے تنفر یا میلان کا اظہار کیا۔ وہ اہل سنت تھے اور اپنے مسلک پر سختی سے قائم رہے"۔

صقلیہ میں فاطمیوں کی حکومت اپنی پیش رو عیسائی حکومت سے کہیں زیادہ منصف اور روادار تھی، مسٹر اسکارٹ لکھتے ہیں۔

"دربار قسطنطنیہ (عیسائی حکومت) کے محاصل بہ نسبت مسلمانوں کے جذیہ کے، بہت سخت تھے؟"

"تاریخ صقلیہ" کا بیان ہے:

"جب فاطمیوں کا دور آیا تو (مصر کی) حکومت کا مذہب شیعی قرار پایا لیکن عہدۂ قضا پر بدستور

سنّی قاضی مقرر ہوتے رہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ حکومت کے شیعی المذہب ہونے کے باوجود یہاں سنّی قوانین نافذ تھے!"

اسلامی حکومت نے صقلیہ کے عیسائی باشندوں کے لیے جداگانہ عدالتیں قائم کی تھیں ان کے مقدمات انہی عدالتوں میں پیش ہوتے تھے موسیو لبیان لکھتے ہیں۔

"ان امور میں جو عام ملکی مسائل سے متعلق نہ تھے، عیسائی خود اپنے قانون کے پابند اور اپنے مذہبی احکام کے پیرو تھے، پرانے یونانی احکامِ فوج داری جنھیں اسٹرانیج کہتے تھے اب تک قائم تھے!"

دولت کلبیہ (فاطمہ) کے قضاۃ کے جو نام دستیاب ہوئے ہیں ان میں سے اکثر مالکی المذہب ہیں کیوں کہ فاطمیوں نے حکومت سے مذہب کو علیحدہ کر دیا تھا اور چوں کہ رعایا کی غالب اکثریت سنیوں پر مشتمل تھی، لہٰذا عہدۂ قضا پر سنّی ہی سرفراز کیے جایا کرتے تھے۔

مسٹر اکارٹ لکھتے ہیں: "صقلیہ کے عیسائی تعصب مذہبی کے باوجود مسلمانوں کی عادلانہ حکومت کو اچھی نظروں سے دیکھنے لگے تھے خصوصاً قسطنطنیہ کی طمّاع و جابر (عیسائی) حکومت کے مقابلے میں جب رعایائے بازنطین اپنی حالت کا مسلمانوں کی عیسائی رعایا کے حالات سے موازنہ کرتی تو اپنے کو ناخوشگوار حالات میں پاتی اور مسلمانوں کی مسیحی رعایا پر رشک کرتی۔ مسلمانوں نے جو محاصل لگائے تھے وہ قانون کی رو سے مقرر تھے، جن میں کمی بیشی نہیں ہو سکتی تھی۔ وہ مداخلت کے خوف و خطر سے بے پروا اپنے مذہبی مراسم ادا کرتے تھے اور اپنی تمدنی حالت پر قائم تھے"!

مشہور مورخ فلپ کے حتی کا بیان ہے:

"اموی خلفا باستثنا ثانی، اقتصادی وجوہ کی بنا پر غیر مسلموں کے قبول اسلام کو پسند نہیں کرتے تھے۔ خصوصاً اُن لوگوں کے قبول اسلام کو جو زرعی زمینوں کے مالک تھے۔ عراق کے علوی اور حجاز کے راسخ العقیدہ لوگ معاویہؓ کے سخت مخالف تھے۔ تخت حکومت کی حفاظت کے لیے مسیحی رعایا پر بھروسہ کیے بغیر چارہ نہ تھا۔ اسی لیے انھوں نے ایک یعقوبی مسیحی خاتون میسون

سے عقد کیا، وہی یزید کی ماں تھی معاویہ کا درباری شاعر الاخطل اور طبیب خاص دونوں مسیحی تھے۔ مالیات کے انتظام کے لیے اس نے منصور ابن سرجون کے خدمات سے فائدہ اٹھایا جو دمشق کے سینٹ جان (یوحنا) کا دادا تھا۔ عباسیوں کی پالیسی (برخلاف فاطمیوں کے) نہ اتنی روشن خیال کی مظہر تھی، نہ اتنی روادارانہ تھی، ہمارا خیال ہے عباسیوں ہی کے زمانے میں مسیحی لوگ زیادہ تر لبنان پہنچے"!

فاطمیوں کا دستور رواداری آغاز کار ہی سے نافذ تھا!

مہدی نے مذہبی آزادی کا اعلان کر دیا اور احکام جاری کیے کہ کسی کو اسماعیلیت پر مجبور نہ کیا جائے۔ وزارت دیوانی اور کتاب کے مناصب عالیہ بھی فاطمیوں نے عیسائیوں اور یہودیوں کو تفویض کیے ان کے پورے عہد حکومت میں ایک مثال بھی ایسی نہیں ملتی کہ کسی غیر مسلم کو محض مذہب کی بنا پر ہدف ستم بنایا گیا ہو یا انھیں عدل و انصاف سے محروم رکھا گیا ہو یا جور و جبر سے تبدیلی مذہب کی کوشش کی گئی ہو، فرنگی مورخوں نے مسلمانوں کو بدنام کرنے اور مسلمان فرماں رواؤں کو متہم کرنے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی ہے لیکن مذکورہ بالا حقائق سے انکار کی جرأت وہ بھی نہ کر سکے۔

اسپین پر بھی مسلمانوں نے کئی سو سال تک حکومت کی جب مسلمان وہاں فاتح کی حیثیت سے داخل ہوئے تو حالت یہ تھی کہ یہودیوں کو عیسائیوں نے غلام بنا رکھا تھا، انھیں مضمون شہریت سے محروم کر رکھا تھا بے بات کی بات پر انھیں ہدف ستم بناتے تھے، جبری تبدیلی مذہب کے واقعات عام تھے، یہودی عورتوں اور دوشیزاؤں کی آبرو اور ناموس پر ڈاکے پڑتے رہتے تھے، مسلمان فاتحوں نے ظلم اور درندگی کا یہ سلسلہ ختم کر دیا، اور یہودیوں کو بھی وہی حقوق دیئے جو عیسائیوں کو حاصل تھے اور عیسائیوں کو وہ تمام حقوق کامل تھے جو ایک شہری کی حیثیت سے کسی مسلمان کو حاصل ہوا کرتے تھے۔

اپنے پورے دور حکومت میں اسپین کے مسلمانوں نے محکموں اور غیر مسلموں کے ساتھ کسی قسم کے ظلم اور تعدی کا مظاہرہ نہیں کیا، جس کی تصدیق خود اسپین کے اور مغربی ممالک کے بلند پایہ مورخین نے کی ہے، کانڈی نے تو ایک پوری کتاب "دولت ہسپانیہ عرب" تین جلدوں میں لکھ کر مسلمانوں کی رواداری کی داد دی ہے، یاد رہے یہ مورخ اسپینی نژاد تھا۔!

مولانا ابوالحسن علی ندوی

شعروادب کو نیا رخ دینے میں علامہ اقبالؒ کا تاریخی کردار

''ماہ ربیع الثانی ۱۴۰۵ھ، جنوری ۱۹۸۵ء میں جب مولانا سید ابوالحسن علی صاحب ندوی مکہ معظمہ میں رابطہ عالم اسلامی کے جلسوں سے فارغ ہوکر مدینہ طیبہ حاضر ہوئے تو وہاں مدینہ طیبہ کی ادبی انجمن ''نادي المدينة الادبي'' کے ذمہ داروں نے مولانا سے اپنی انجمن میں تقریر پر اصرار کیا اور پچھلے وعدہ کا بھی حوالہ دیا۔ مولانا نے ان کے اصرار پر تقریر منظور کرلی، انجمن، کے نمائندوں نے تقریر کا موضوع دور اقبال ''في توجيه الادب و الشعر'' تجویز کیا، اور اس کے لیے شب سہ شنبہ ۲۴ ربیع الثانی، ۱۶ جنوری کا اعلان کردیا گیا۔ مولانا کو یہ معلوم کرکے قدرے تکلف اور فکر ہوئی کہ تقریر مکتبۃ الملک عبدالعزیز کے ہال میں ہوگی جو مسجد نبوی کے جوار میں چند قدم کے فاصلے پر ہے، اور وقت مغرب وعشاء کے درمیان کا رکھا گیا ہے، جو مختصر اور عام طور پر مسجد کی حاضری اور تلاوت و نوافل کی مشغولیت کا ہوتا ہے، اور متعدد مقامات پر درس کے حلقے بھی قائم ہوتے ہیں۔ مقرر اور سامعین سب کے لیے مقام اور وقت دونوں زیادہ موزوں نہ تھے، اور اندیشہ تھا کہ اس حالت میں یہ نشست کامیاب نہ ہوسکے گی، اور مقرر کو بھی ایک ایسے موضوع پر جس کا ذات نبوی اور سیرتِ طیبہ سے براہ راست تعلق نہیں ہے، تقریر کرنے میں تردّد اور تکلف ہوگا۔

لیکن اندازہ اور اندیشہ کے خلاف نماز مغرب ختم ہوتے ہی لائبریری کا وسیع اور شاندار ہال سامعین سے بھر گیا، جن میں بڑے علماء اور اساتذہ تعلیم یافتہ نوجوان علوم دینیہ اور شعروادب دونوں

سے تعلق رکھنے والے اہلِ ذوق موجود تھے۔ اندر جگہ نہ پانے کی وجہ سے بہت سے لوگ باہر کھڑے تھے، تقریر میں وہ جوش واثر تھا۔ جس کی اس مقام ووقت کی وجہ سے زیادہ توقع نہ تھی۔ مسجد نبوی میں عشاء کی اذان سے پہلے ہی تقریر ختم ہوگئی اور لوگوں نے اطمینان کے ساتھ مسجد میں جاکر عشاء کی نماز باجماعت ادا کی"۔

حضرات! میرے لیے اللہ تعالیٰ اور حاضرین مجلس کے سامنے شرمندہ اور محجوب ہونے کی بات ہے کہ جوار رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) اور آپ کی مبارک ومنور مسجد (نبوی) کے زیر سایہ آپ کے علاوہ دنیا کی کسی اور ہستی کا ذکر اوراس کی تعریف کروں، ایک عرب شاعر نے کسی موقع پر جو کہا تھا وہ اس محل ومقام کے زیادہ حسب حال ہے۔

....

وَلَمَّا نَزَلْنَا مَنْزِلاً طَلَّهُ النَّدی

اَنِیْقًا وَبُسْتَانًامِّنَ النَّوْرِ حَالِیَا

أجدلَنَا طِیْبَ الْمَکَانِ وَحُسْنَهٗ

بنیٰ فَتَمَنَّیْنَا، فَکُنْتَ الاَمَانِیَا،

"جب ہم ایسی جگہ پر اُترے جسے شبنم نے شاداب وسیراب کررکھا تھا اور نورامیدہ غنچوں سے وہ سجا ہوا تھا، تو مقام کے حسن ودل آویزی سے ہمارے دل میں خوابیدہ تمناؤں اور آرزوؤں نے انگڑائی لی، ہم نے آرزوئیں کیں، لیکن حاصل آرزو اور جانِ تمنا تمہاری ہی ذات تھی"۔

یہی وہ جگہ ہے، جسے آخری آسمانی پیغام کی طراوت اور صحبت نبوی کی نکہت نے دل ونگاہ کی جنت بنادیا ہے اس لیے یہاں اس ہستی کا ذکر ہونا چاہیے، جسکی ذات بابرکات سے اس شہر کو ہمیشہ کے لیے شرف اعزاز حاصل ہوا، اور انسانیت نے نئی زندگی اور حقیقی معنویت پائی۔

مگر میں یہاں ایک ایسے شخص کا ذکر کرنے جارہا ہوں جس کا تعلق ذات نبوی سے گہرا اور مضبوط تھا اور یہی بات اس محل ومقام میں (جو قدیم محاورہ کے مطابق مسجد نبوی سے ایک تیر کے فاصلے پر ہے) اس تذکرہ کا جواز پیدا کرتی ہے۔

ہمارے عظیم شاعر محمد اقبالؔ کا یہ حال تھا (جس کا میں عینی گواہ ہوں اور مسجد نبوی کے جوار میں اس کی گواہی دے سکتا ہوں) کہ ذات نبوی روحی فداہ کا ذکر تو بڑی چیز ہے، آپ کے شہر مدینہ کا نام آنے پر ان کی آنکھیں اشکبار اور ان کا دل بے قرار ہو جاتا تھا۔

یہاں مجھے اجازت دیجیے کہ میں فارسی میں ان کے دو شعر پڑھوں، کیونکہ یہاں فارسی جاننے والے بھی موجود ہیں، وہ کہتے ہیں۔

باایں پیری رہِ یثرب گرفتم
نواخواں از سرورِ عاشقانہ
چوں آں مرغے کہ در صحرا بہ شام
کشاید پر بہ فکرِ آشیانہ

جن کا مفہوم یہ ہے کہ "میرے دوستوں کو کبر سنی میں مدینۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کے عزمِ سفر اور ذوق وشوق پر تعجب ہوا، اور کہنے لگے کہ یہ عمر اور طویل سفر، یہ تکلیف مالا یُطاق ہے، اس پر میں نے ان سے کہا کہ کیا آپ جانتے نہیں کہ پرندہ دن بھر صحراؤں میں آوارہ پھرتا اور فضاؤں میں اُڑتا رہتا ہے۔ لیکن جب دن ختم ہونے لگتا ہے اور رات کی آمد آمد ہوتی ہے تو اس کا اپنا آشیانہ یاد آتا ہے اور وہ تیر کی طرح اُڑ کر وہاں پہنچ جاتا ہے، اسی طرح مدینہ ایک مسلم کے طائر روح کا آشیانہ، اس کے عقیدہ وعقیدت کا کاشانہ اور اس کے روحانی سکون وسرور کا خزانہ اور آخری ٹھکانا ہے تو میں ایسے عالم میں اپنے آشیانہ کی طرف کیوں نہ پرواز کروں، جب کہ شام زندگی قریب ہے۔

دوستو اور بزرگو میں ادب کو ایک زندہ وجود سمجھتا ہوں جس کے پہلو میں درد بھرا دل، باشعور ضمیر، زندہ احساس، پختہ عقیدہ اور اس کا ایک واضح ومعین نصب العین ہوتا ہے، رنج والم سے وہ رنجور اور اسباب مسرت سے مسرور ہوتا ہے، اور اگر ادب ایسا نہیں تو وہ جامد اور بے جان ادب ہے جو مداری کے نقل وتماشہ اور جمناسٹک کی ورزشوں سے زیادہ قریب ہوتا ہے، میرے خیال میں ادب صرف جی بہلانے اور وقت گزاری کا مشغلہ نہیں، وہ بلند اور شریفانہ اغراض ومقاصد تک پہونچنے اور فطرت انسانی کو متاثر کرنے کا بہترین ذریعہ اور وسیلہ ہے آپ مجھے اجازت دیں

کہ آپ کے سامنے اقبال کے وہ اشعار پڑھوں جن سے اس عظیم شاعر کے عقیدہ اور اس کے اس ادبی نظریہ کی وضاحت ہوتی ہے، جس پر اقبال کا پورا شعری وفکری دبستان قائم ہے۔

اقبال کا یہ عقیدہ ہے کہ ادب میں اس وقت تک جان نہیں پڑتی جب تک کہ وہ اپنی زندگی اور توانائی دھڑکتے دل کی گہرائیوں سے نہیں حاصل کرتا اور خون جگر سے سیراب نہیں ہوتا۔ وہ ایک شعر میں اس وسیع مضمون کو ادا کرتے ہے

نقش ہیں سب ناتمام خونِ جگر کے بغیر
نغمہ ہے سودائے خام، خونِ جگر کے بغیر

میں یہاں دوبارہ اجازت لے کر پہلے اردو میں ان کے اشعار پڑھتا ہوں پھر عربی میں ان کی تشریح کروں گا، وہ فرماتے ہیں۔

اے اہل نظر ذوق نظر خوب ہے لیکن
جو شے کی حقیقت کو نہ دیکھے وہ نظر کیا
مقصود ہنر سوز حیاتِ ابدی ہے
یہ ایک نفس یا دو نفس مثل شرر کیا
جس سے دلِ دریا متلاطم نہیں ہوتا
اے قطرۂ نیساں، وہ صدف کیا وہ گہر کیا
شاعر کی نوا ہو کہ مغنی کا نفس ہو
جس سے چمن افسردہ ہو وہ بادِ سحر کیا
بے معجزہ دنیا میں ابھرتی نہیں قومیں
جو ضرب کلیمی نہیں رکھتا وہ ہنر کیا

اقبال کا یہ نظریۂ شعروادب دنیائے علم وفن میں ایک انقلابی نظریہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس دور میں اس کام کے لیے ایسے شخص کو منتخب کیا جس نے فلسفۂ قدیم وجدید اور ادب وفن کا یکساں اور گہرا مطالعہ کیا تھا۔ اقبال ایک طویل عرصہ تک یورپ کی موقر دانش گاہوں (جامعات) میں

رہے، جہاں انھوں نے اپنے علم وتحقیق ومطالعہ کے نتائج فکر پیش کیئے اور یورپ کے مفکرین اور جامعات کے اساتذہ کی علمی صحبتوں میں وقت گزارا، لیکن اللہ تعالیٰ نے انھیں اسلام کے عالم گیر پیغام کے لیے منتخب کیا تھا اور انھوں نے اس پیغام رسانی کے لیے شعر وادب کی زبان اختیار کی، کیونکہ ادب کی زبان ذوق وضمیر کی زبان اور مضطرب وجدان اور سوز دروں کی ترجمان ہوتی ہے، انھوں نے بڑی خوبی اور خوش اسلوبی سے یہ پیغام پہنچایا اور شعر وادب کو غیر معمولی اور امکانی حد تک متاثر کیا، اور اردو شعر گوئی میں ایک نیا مکتب فکر قائم کیا۔ انھوں نے ادب وشاعری کو نئی ترکیبیں نئے خیالات اور نئے معانی ومفاہیم دیئے، اور اس کو نیا رنگ وآہنگ عطا کیا۔

اقبال کی عظمت میں چند عوامل وعناصر کی خصوصی کارفرمائی نظر آتی ہے، جن میں پہلا مقام عقیدہ کا ہے، وہ ایک راسخ العقیدہ مسلمان تھے، اس سے میری مراد یہ نہیں کہ وہ اسلام کی صحت و صداقت پر پختہ عقیدہ رکھتے تھے، یہ تو مسلمان کے لیے شرط اوّل ہے، اور اس میں ان کی خصوصیت نہیں، میری مراد یہ ہے، کہ وہ اس سے آگے بڑھ کر اسلام کی قائدانہ صلاحیت اس کے آخری اور منتخب اور واحد پیغام ہونے پر پختہ عقیدہ اور غیر متزلزل ایمان رکھتے تھے، ان کا عقیدہ تھا کہ اب صرف اسلام ہی سفینۂ حیات کو ساحلِ نجات تک پہونچا سکتا ہے، اور وہی دنیا کو جاہلیت، ہر طرح کی بت پرستی انسانوں کی غلامی خواہشوں کی پرستاری اور مادہ ومعدہ کی امیری اور چاکری سے رہائی دلاسکتا ہے، اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ''دانائے سبل''، مولائے کل اور ختم الرسل سمجھتے ہیں، جنھوں نے غبار راہ'' کو فروغ وادی سینا'' عطا کیا۔

عجب کیا گر مہ و پرویں مرے نخچیر ہو جائیں
کہ بر فتراک صاحب دولتے بستم سرِ خودرا
وہ دانائے سبل ختم الرسل مولائے کل جس نے
غبارِ راہ کو بخشا فروغ وادیٔ سینا۔

انھوں نے ایک شاعر وادیب کی حیثیت سے ایک نمایاں اور ممتاز کردار ادا کیا اور برصغیر ہند و پاک کی نئی تعلیم یافتہ نسل پر ایسا گہرا اور دیرپا اثر چھوڑا جو عصر حاضر کی عظیم مفکروں اور ممتاز شخصیتوں

میں کسی کے یہاں نہیں پایا جاتا ہے۔ چنانچہ ان کے بعد آنے والا کوئی، شاعر ادیب اور اہل قلم ایسا نہیں جو ان سے کم وبیش متاثر نہ ہوا ہو۔ یہ بات میں تاریخ ادب سے اپنے تعلق اور دلچسپی کی روشنی میں کہہ رہا ہوں کہ کم از کم ہند وپاک کا تقریباً ہر ادیب وشاعر اقبالؔ سے الفاظ واسالیب تعبیرات و تراکیب اور خیالات واستعارات میں فیض یاب ہوا ہے، ان میں شاید ہی کسی کو یہ دعویٰ ہو کہ وہ اقبالؔ سے ذرا بھی متاثر نہیں ہوا ہے، حتیٰ کہ وہ بھی جو اپنے خیالات ورجحانات میں اقبالؔ سے اختلاف رکھتے ہیں۔ وہ سب شعوری یا غیر شعوری طور پر ان کے قائل ہیں، اور ان کے فن کا جادو سر پر چڑھ کر بول رہا ہے۔

کسی توانا شخصیت کا یہی راز ہے، ادب میں قوت واثر تب ہی پیدا ہوتا ہے، جب اس کے پیچھے کوئی مؤثر اور بلند وبالا شخصیت ہو جو فکری دنیا میں اثر ونفوذ قائم کرے اور زبان واہلِ زبان کی دنیا میں ایک نیا مکتب خیال وجود میں لائے، ایسا کرشمہ عصر قدیم میں مولانا جلال الدین رومیؒ (م ۶۷۳ھ) کے ذریعہ رونما ہوا۔ جن کی نغمہ سرائیوں، نکتہ سنجیوں اور حقائق ومعارف کا سایہ صدیوں تک عجم کے مکاتب خیال اور شعر وادب پر نظر آتا ہے، عجم کے تمام ادبی مکاتب خیال پر اثر ڈالنے والے ایسے ہی معدودے چند اشخاص میں شیخ مصلح الدین سعدیؔ شیرازی (م ۶۹۱ھ) وغیرہ کے نام آتے ہیں۔ اقبالؔ کے متعلق لکھے جانے والے رسالوں اور کتابوں کی تعداد دو ہزار تک پہنچ چکی ہے۔ بعض محتاط اور ثقہ لوگوں کا کہنا ہے کہ یورپ کی اور دوسری زندہ زبانوں مثلاً انگریزی، جرمن فرنچ، فارسی اور عربی میں کسی شاعر نے اپنی ذات اپنی شاعری اور اپنے مکتب فکر کے لیے اقبالؔ جیسی مقبولیت نہیں حاصل کی۔ نہ انگریزی شاعر وادیب شکسپیئر نے نہ اطالوی شاعر دانتے نے اور نہ ہندوستان کے رابندر ناتھ ٹیگور نے نہ عربی کے جادو بیان شاعر ابوالطیب المتنبی اور فلسفی شاعر ابوالعلاء المعرّی نے یہ اولاً ان کی عظیم شخصیت، پھر قوت ایمان وعقیدہ اور پھر فکر و وجدان کے نتیجہ میں ظہور پذیر ہوا۔ ادب جب وجدانی قوت سے خالی ہوتا ہے، تو وہ نقل ومحاکات بن کر رہ جاتا ہے، اور تمثیلی وتقلیدی رنگ اختیار کر لیتا ہے۔ وجدانی قوت ہی ادب کو طاقتور بناتی ہے اور اس میں بقاء ودوام کی صلاحیت پیدا کرتی ہے اور اسے عوامی مقبولیت عطا کر کے دلوں کی

دھڑکن بنادیتی ہے، ادیب کے پاس اگر قلب ووجدان نہ ہوتو وہ کسی اداکار کے مشابہ ہوجاتا ہے، اقبالؔ کواللہ تعالیٰ نے وجدانی قوت سے امتیازی طور پر سرفراز کیا تھا۔

اسی طرح ادیب وشاعر کے لیے (بلکہ میں اس سے آگے بڑھ کر کہنا چاہوں گا کہ کسی ملت کے لیے بھی) معین ہدف، واضح نصب العین اور کوئی کامل اسوہ ونمونہ ہونا چاہیے، اقبالؔ خود کہتے ہیں کہ میں نے اللہ تبارک وتعالیٰ کی جناب میں عصر حاضر میں امت اسلامیہ کے حالِ زار کا شکوہ کیا اس پر یہ جواب ملا کہ تمھیں معلوم نہیں کہ یہ امت دل تو رکھتی ہے مگر کوئی دلدار ومحبوب نہیں رکھتی جذبہ محبت رکھتی ہے مگر یہ نہیں جانتی کہ اس محبت کا محل ومصداق کون ہے۔

شبے پیش خدا بگریستم زار
مسلمانان چرا زارند و خوارند
ندا آمد نمی دانی کہ ایں قوم؟
دلے دارند و محبوبے ندارند؟

تو شاعروادیب اور کسی قوم ومعاشرہ کے رہنما اور صاحب فکر ونظر کے لیے کسی مرکز محبت کا وجود ضروری ہے، جس کی طرف وہ اپنے جذبہ محبت وسرشاری کا رخ پھیر سکے، اللہ کی ان نعمتوں میں جن سے اقبالؔ سرفراز ہوئے عقیدہ کی قوت، اوراس دین پر ناز کرنے کی عزت وسعادت بھی ہے جس کے سبب وہ اپنی وسیع وعمیق فلسفیانہ تحقیقات کے باوصف اسلام کو دینِ انسانیت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو انسانیت کے لیے اسوۂ حسنہ اور کامل نمونہ سمجھتے تھے، اور وہ جب آپ کو یاد کرتے تھے تو ان کے جذبات میں تلاطم برپا ہوجاتا، اوران کی طبیعت بے اختیار اور آنکھیں اشکبار ہوجاتی تھیں۔

یہاں مجھے ان کا ایک واقعہ یاد آگیا، انگریزی دور میں ایک بڑے ہندو والی ریاست نے انھیں مغل بادشاہوں سے اپنے آباؤاجداد کو ملی ہوئی سندیں اور دستاویزیں پڑھنے اور انگریزی میں ترجمہ کرنے کے لیے بلایا، کیونکہ اقبالؔ بیرسٹر اور قانون داں بھی تھے۔ والی ریاست نے ان کے لیے ایک عمدہ کوٹھی میں قیام کا انتظام کیا، اور جس کمرہ میں ان کو آرام کرنا تھا، اسے امیرانہ شان سے سجایا

اور تمام اسباب راحت فراہم کیے اور اقبالؔ کو وہاں ٹھہرایا۔ اچانک ان کو خیال آیا کہ شاید کوئی اور کوتاہی رہ گئی ہو اور ڈاکٹر صاحب کا کوئی معمول ہو جس کی مجھے خبر نہ ہو، چنانچہ وہ اچانک ان کے کمرہ میں داخل ہوئے تو انھیں فرش زمین پر لیٹا ہوا پایا، وہ اس مکلّف مسہری پر نہیں سوئے تھے، جو ان کے لیے تیار کی گئی تھی، مہاراجہ نے معذرت کرتے ہوئے پوچھا کہ ڈاکٹر صاحب آپ یہ مسہری چھوڑ کر زمین پر کیوں آرام فرما رہے ہیں۔ اقبالؔ کچھ دیر خاموش رہے، پھر ان کے اصرار پر کہا کہ مجھے یہ خیال آیا کہ مجھے جس رسولؐ سے نسبت ہے، اور جن کے سبب مجھے یہ شرف واعزاز ملا ہے، وہ زمین پر معمولی بستر پر سوتے تھے۔ تو مجھے اس مرصّع اور مکلّف مسہری اور نرم گداز بستر پر کیسے نیند آتی، یہ کہتے ہوئے ان کی آنکھیں ڈبڈبا گئیں اور اس کا اس ہندو والی ریاست پر بھی اثر ہوا۔

اقبالؔ کہتے ہیں،

بوریا ممنونِ خواب راحتش
تاج کسریٰ زیر پائے امتش
در شبستانِ حرا خلوت گزید
قوم و آئین و حکومت آفرید
ماند شبہا چشم اور محروم نوم
تا بہ تخت خسروی خوابید قوم

"جس سردار کی امت نے تاج کسریٰ کو پامال کیا، وہ خود بوریے پر سوتے تھے، جن کے غلام تخت شاہی پر سوئے وہ راتوں کو جاگ کر بسر کرتے تھے، چند راتیں آپؐ نے غارِ حرا کی خلوت میں گذاریں، جس کے نتیجہ میں ایک نئی امت ایک کامل دستور اور ایک مضبوط سلطنت وجود میں آ گئی"۔

میرے دوستو! ہم نے یہ وجدانی قوت کھو دی ہے، (مجھے معاف کریں) جب ہم بعض ادیبوں اور اہلِ قلم کی تحریریں پڑھتے ہیں تو اس پردہ کے پیچھے وہ ایک ماہر اداکار نظر آتے ہے۔ وہ اپنے خیالات بڑے بلیغ الفاظ اور اعلیٰ اسلوب میں ادا کرتے ہیں مگر طبیعت پر ان الفاظ کا کوئی دیرپا

اثر نہیں ہوتا اور ہم جلد ہی ان سے دامن جھاڑ کر الگ ہو جاتے ہیں۔ وہ زندہ شعر جس کا گہرا اور دیرپا اثر رہتا ہے، اور وہ فکر و شعور پر محیط ہو جاتا ہے، وہ شعر ہے جو دل سے نکل کر دل تک پہونچتا ہے، اور جو بات دل سے نکلتی ہے، دوسرے دل میں گھر بناتی ہے اور جو چیز محض عقل و دماغ سے نکلتی ہے وہ عقل و دماغ ہی تک پہنچ کر رہ جاتی ہے، اور زیادہ تر ایسی ہی چیزیں ہیں، اس حقیقی اور زندہ ادب کی حاجت صرف عالم اسلامی ہی کو نہیں بلکہ پورے عالم انسانی کو ہے۔

میرے دوستو! ہم اس سطحی و سرسری ادب کے بوجھ سے دب گئے ہیں۔ جو ہر صبح و شام ہمارے سامنے آتا رہتا ہے، اور جس میں ہم بے جان صورتیں اور شیشہ اور پتھر کی، مورتیں دیکھا کرتے ہیں، ہمیں اس وقت ایسے ادب کی ضرورت ہے جو ہمارے اندر نئی زندگی اور نئی روح پھونک دے، قرآن کریم نے زبانِ فصیح کی قدر و قیمت کو بطور خاص نمایاں کیا ہے اور اپنے کو عربی مبین کا شاہکار بتایا ہے، قرآن کو ہرگز کسی خارجی شئے کی ضرورت نہیں، اللہ سبحانہ تو دو عالم سے بے نیاز ہے، مگر وہ قرآن کی زبان کو عربی مبین بتاتا ہے۔

بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِينٍ، قرآن شریف میں آتا ہے، وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَسُولٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ،

اور ہم نے کوئی رسول نہیں بھیجا، مگر اس کی قوم کی زبان میں تاکہ وہ انھیں سمجھا سکے،

اس کا یہ مطلب نہیں کہ اللہ نے صرف قابلِ فہم زبان دیکر انھیں بھیجا، بلکہ یہ ہے کہ انھیں فصاحت و بلاغت کے ساتھ بھیجا، قرآن میں ''لِسان'' کا مفہوم یہی ہے، وہ زبان جس میں بچہ بولتا ہے اور غیر قادر الکلام آدمی بھی، بات کر لیتا ہے وہ مراد نہیں، خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

أَنَا أَعْرَبُكُمْ أَنَا قُرَشِيٌّ وَاسْتَرْضَعْتُ فِيْ سَعْدِبْنِ بَكْرٍ

''میں تم میں سب سے زیادہ فصیح ہوں قریشی ہوں، اور میں نے بنی سعید بن بکر میں پرورش پائی ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ادب کی قدر و قیمت واضح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

إِنَّ مِنَ الْبَيَانِ لَسِحْراً وَاِنَّ مِنَ الشِّعْرِ لَحِكْمَةً،

''بعض کلام سحراور بعض اشعار حکمت ہوتے ہیں''

اس امت کے افضل ترین افراد فصیح و بلیغ بھی تھے۔آپ کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خطبات میں زبان وادب کے جیتے جاگتے نمونے ملیں گے اسی طرح خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم اور کبار صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین (جن میں سر فہرست حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں) کے خطبات میں دل کش ادبی نمونے پائے جاتے ہیں۔اگر چہ ''نہج البلاغۃ'' کا مکمل طور پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کا کلام وتحریر ہونے کی تاریخی طور پر ذمہ داری نہیں لی جاسکتی،لیکن جوان کا اصلی کلام ہے وہ ادب عالیہ کا حصہ ہے،اسی طرح اسلام کی اصلاحی وعلمی تاریخ کے مشاہیر داعی ہونے کے سات ساتھ فصاحت و بلاغت کے جوہر سے آراستہ تھے۔سیدنا عبدالقادر جیلانی (م ۵۶۱ھ) مقبولین و واصلین حق میں تھے۔اس کے ساتھ جب آپ ان کے اصل ومحفوظ خطبات پڑھیں گےتو آپ کو بادل گرجتے،بجلیاں کوندتی،اور دریا موجیں مارتا ہوانظر آئے گا اور ہمیں اسی زور اثر کی ضرورت ہے۔

اقبالؔ کو یہ شرف حاصل ہے کہ انھوں نے اپنے فطری شعری سلیقہ کو انسانیت اور اسلام کے مفاد میں استعمال کیا،ان کے لیے شعروادب کی شہ نشین پر نمایاں جگہ حاصل کرنا بہت آسان تھا، جیسا کہ ان کے بہت سے معاصرین نے حاصل بھی کیا،مگر اس سے انکار کرتے ہوئے انھوں نے اپنی تمام شعری وفنی صلاحیتیں اسلام اور انسانیت کی خدمت کے لیے وقف کردیں،اور اس طرح انھوں نے برصغیر ہندو پاک اور فارسی بولنے والے ممالک (ایران و افغانستان) کے لاکھوں نوجوانوں کے دلوں میں اسلام پر اعتماد واعتقاد کو بحال کیا،اور عشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا شعلۂ جوالہ فروزاں کردیا۔کاش انھوں نے ادب و پیغام کو عالمگیر بنانے کے لیے عربی زبان اختیار کی ہوتی،جس کے وہ طالب علم اور کچھ عرصہ تک لندن یونیورسٹی میں اپنے استاذ پروفیسر نکلسن کی نیابت میں استاذ ومعلم بھی رہ چکے تھے۔جب میں نے ان کو بعض نظموں کا عربی ترجمہ سنایا تو انھوں نے اس کو سمجھ لیا اور پسند کیا،اور خود حماسہ کے بعض عربی اشعار سنائے جوان کو پسند تھے اور ان کے مذاق کے مطابق تھے۔لیکن کسی زبان کی واقفیت اور چیز ہے،اور اس میں شعر کہنا

اور اپنی دلی خیالات ادا کرنا اور بات ہے۔

الحمدللہ کہ عالم عربی میں بڑے علماء و مفکرین، ادباء و مصنفین، دانش گاہوں، تحقیقی اداروں اور کتابی ذخیروں کی کمی نہیں، مگر وہاں اقبال جیسا کوئی عبقری شاعر نظر نہیں آتا۔ اگرچہ امیر الشعراء احمد شوقی نہ صرف مصر کے بلکہ اپنے عصر کے عظیم عرب شاعر تھے اور جدید عربی شاعری میں ان کے یہاں اسلامی جذبات اور ایمانی نغمات ملتے ہیں۔ ان کے بعد حافظ ابراہیم کا نام اور مقام ہے۔ مگر عالم عربی میں ایک سرے سے دوسرے سرے تک ایسا کوئی شاعر سامنے نہیں آیا جو اقبال کی جگہ لے سکے، اور ان کی طرح طاقتور اور مؤثر طریقہ پر اسلامی قافلہ کی حدی خوانی کر سکے جو دل کے تاروں کو چھیڑ دے اور ادبی فضا میں مقناطیسی لہریں بکھیر دے اور عربی و اسلامی معاشرہ اور ادب عربی کے قلب و ضمیر میں اُتر جائے۔

شعروادب میں یہ تاریخی، قائدانہ اور انقلابی کردار تھا۔ جسے اقبال نے اپنے زمانہ اور معاشرہ میں ادا کیا، میں نے اس مبارک شہر شام کے مبارک وقت سے کام لیتے ہوئے ادباء و اہل قلم ناقدین اور ادب کے مؤرخین کی توجہ اس طرح مبذول کرانے کی کوشش کی کہ وہ عربی ادب کے اس اہم اور نازک پہلو کی طرف بھی توجہ کریں، جو فاسد رجحانات کو صالح و صحت مند رجحانات میں بدل سکتا اور ادب کو سطحی جذباتیت سے اُٹھا کر اعلیٰ مقاصد تک پہنچا سکتا ہے۔

قرآن نے اپنے معجزانہ انداز میں فاسد و سقیم، اور تخریبی ادب کو ''زُخرُفَ القَولِ غُرُوراً'' (ملمع کاری اور فریب کے بلیغ اور معنیٰ خیز الفاظ سے تعبیر کیا ہے، ہم سطحیت کے عہد میں جی رہے ہیں۔ ہمارا سابقہ زیادہ تر سطحی ادب سے ہے، مگر ہماری اور عصرِ حاضر کی اور خاص طور سے عالم عربی کی بڑی ضرورت صالح اور مقصدی ادب ہے جو قوت و زندگی سے بھرپور ہو جو بلند و آسمانی اور عالمگیر اسلام و انسانی پیغام کا حامل و علم بردار ہو۔

اس موقع پر میں کہہ سکتا تھا اور اسی پر میں اکتفا کرتا ہوں کہ وقت تنگ ہے اور مسجد نبوی شریف میں ہمیں نماز عشاء کی سعادت حاصل کرنی ضروری ہے، انشاء اللہ۔

❀❀❀

ابوالاعلیٰ مودودیؒ

اسلامی حکومت میں خواتین کا دائرہ عمل

سوال: کیا اس دور میں اسلامی حکومت خواتین کو مردوں کے برابر سیاسی معاشی و معاشرتی حقوق ادا نہ کرے گی جبکہ اسلام کا دعویٰ ہے کہ اس نے تاریک ترین دور میں بھی عورت کو ایک مقام (Status) عطا کیا؟ کیا آج خواتین کو مردوں کے برابر اپنے ورثہ کا حصہ لینے کا حق دیا جا سکتا ہے؟ کیا ان کو اسکولوں کالجوں اور یونیورسٹی میں مخلوط تعلیم یا مردوں کے شانہ بشانہ کام کر کے ملک وقوم کی اقتصادی حالت بہتر بنانے کی اجازت نہ ہوگی؟ فرض کیجیے اگر اسلامی حکومت خواتین کو برابر کا حق رائے دہندگی دے اور وہ کثرتِ آراء سے وزارت وصدارت کے عہدوں کے لیے الیکشن لڑ کر کامیاب ہو جائیں تو موجودہ بیسویں صدی میں بھی کیا ان کو منصب اعلیٰ کا حق اسلامی احکام کی رُو سے نہیں مل سکتا، جبکہ بہت سی مثالیں ایسی آج موجود ہیں۔ مثلاً سیلون میں وزارت عظمیٰ ایک عورت کے پاس ہے یا نیدر لینڈ میں ایک خاتون ہی حکمرانِ اعلیٰ ہے۔ برطانیہ پر ملکہ کی شہنشاہیت ہے۔ سفارتی حد تک جیسے عابدہ سلطانہ دختر نواب آف بھوپال رہ چکی ہیں اور اب بیگم رعنا لیاقت علی خان نیدر لینڈ میں سفیر ہیں۔ یا دیگر جس طرح مسز وجے لکشمی پنڈت برطانیہ میں ہائی کمشنر ہیں اور اقوامِ متحدہ کی صدر رہ چکی ہیں اور بھی مثالیں جیسے نور جہاں، جھانسی کی رانی، رضیہ سلطانہ، حضرت محل زوجہ واجد علی شاہ جو کہ Pride of Woman کہلاتی

ہیں جنھوں انگریزوں کے خلاف لکھنؤ میں جنگ کی کمانڈ کی۔ اس طرح خواتین نے خود کو پورا اہل ثابت کر دیا ہے۔ تو کیا اگر آج محترمہ فاطمہ جناح صدارت عہدہ سنبھال لیں تو اسلامی اصول پاکستان کے اسلامی نظام میں اس کی اجازت نہ دیں گے؟ کیا آج بھی خواتین کو ڈاکٹر، وکلاء، مجسٹریٹ، جج، فوجی افسر یا پائیلٹ وغیرہ بننے کی مطلق اجازت نہ ہوگی؟.... خواتین کا یہ بھی کارنامہ کہ وہ نرسوں کی حیثیت سے کس طرح مریضوں کی دیکھ بھال کرتی ہیں قابلِ ذکر ہے۔ خود اسلام کی پہلی جنگ میں خواتین نے مجاہدین کی مرہم پٹی کی۔ پانی پلایا اور حوصلے بلند کیے، تو کیا آج بھی اسلامی حکومت میں آدھی قوم کو مکانات کی چار دیواری میں مقید رکھا جائے گا؟

جواب: اسلامی حکومت دنیا کے کسی معاملے میں بھی اسلامی اصولوں سے ہٹ کر کوئی کام کرنے کی نہ تو مجاز ہے اور نہ وہ اس کا ارادہ ہی کر سکتی ہے۔ اگر فی الواقع اس کو چلانے والے ایسے لوگ ہوں جو اسلام کے اصولوں کو سچے دل سے مانتے ہوں اور اس پر عمل کرتے ہوں۔ عورتوں کے معاملے میں اسلام کا اصول یہ ہے کہ عورت اور مرد عزت و احترام کے ساتھ سے برابر ہیں۔ اخلاقی معیار کے لحاظ سے بھی برابر ہیں۔ آخرت میں اپنے اجر کے لحاظ سے بھی برابر ہیں۔ لیکن دونوں کا دائرہ عمل ایک نہیں ہے۔ سیاست اور ملکی انتظام اور فوجی خدمات اور اسی طرح کے دوسرے کام مرد کے دائرہ عمل سے تعلق رکھتے ہیں اس دائرے میں عورت کو گھسیٹ لانے کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ یا تو ہماری خانگی زندگی بالکل تباہ ہو جائے گی جس کی بیشتر ذمہ داریاں عورتوں سے تعلق رکھتی ہیں۔ یا پھر عورتوں پر دہرا بار ڈالا جائے گا کہ وہ اپنے فطری فرائض بھی انجام دیں جن میں مرد قطعاً شریک نہیں ہو سکتا اور پھر مردوں کے فرائض کا بھی نصف حصہ اپنے اوپر اٹھائیں عملاً یہ دوسری صورت ممکن نہیں ہے، لازماً پہلی صورت ہی رونما ہوگی اور مغربی ممالک کا تجربہ بتاتا ہے کہ وہ رونما ہو چکی ہے آنکھیں بند کر کے دوسروں کی حماقتوں کی نقل اتارنا عقل مندی نہیں ہے۔

اسلام میں اس کے لیے کوئی گنجائش نہیں ہے کہ وراثت میں عورت کا حصہ مرد کے برابر ہو۔

اس باب میں قرآن کا صریح حکم مانع ہے۔ نیز یہ انصاف کے بھی خلاف ہے کہ عورت کا حصّہ مرد کے برابر ہو کیونکہ اس باب میں قرآن کا صریح حکم مانع ہے۔ نیز یہ انصاف کے بھی خلاف ہے کہ عورت کا حصّہ مرد کے برابر ہو۔ کیونکہ اسلامی احکام کی رُو سے خاندان کی پرورش کا سارا مالی بار مرد پر ڈالا گیا ہے بیوی کا مہر اور نفقہ بھی اس پر واجب ہے۔ اس کے مقابلہ میں عورت پر کوئی مالی بار نہیں ڈال گیا ہے۔ اس صورت میں آخر عورت کو مرد کے برابر حصّہ کیسے دیا جا سکتا ہے؟

اسلام اصولاً مخلوط سوسائٹی کا مخالف ہے اور کوئی ایسا نظام جو خاندان کے استحکام کو اہمیت دیتا ہو اس کو پسند نہیں کرتا کہ عورتوں اور مردوں کی مخلوط سوسائٹی ہو۔ مغربی ممالک میں اس کے بدترین نتائج ظاہر ہو چکے ہیں۔ اگر ہمارے ملک کے لوگ ان نتائج کو بھگتنے کے لیے تیار ہوں تو شوق سے بھگتتے رہیں، لیکن آخر یہ کیا ضروری ہے کہ اسلام میں اُن افعال کی گنجائش زبردستی نکالی جائے جن سے وہ شدت کے ساتھ روکتا ہے۔

اسلام میں اگر جنگ کے موقع پر عورتوں سے مرہم پٹی کا کام لیا گیا ہے تو اس کے معنی یہ نہیں کہ امن کی حالت میں عورتوں کو دفتروں اور کارخانوں اور کلبوں اور پارلیمنٹوں میں لا کھڑا کیا جائے۔ مرد کے دائرۂ عمل میں آ کر عورتیں کبھی مردوں کے مقابلے میں کامیاب نہیں ہو سکتیں۔ اس لیے کہ وہ ان کاموں کے لیے بنائی ہی نہیں گئی ہیں۔ ان کاموں کے لیے جن اخلاقی اور ذہنی اوصاف کی ضرورت ہے وہ دراصل مرد میں پیدا کیے گئے ہیں۔ عورت مصنوعی طور پر مرد بن کر کچھ تھوڑا بہت ان اوصاف کو اپنے اندر ابھارنے کی کوشش کرے بھی تو اس کا دہرا نقصان خود اس کو بھی ہوتا ہے، اور معاشرہ کو بھی۔ اس کا اپنا نقصان یہ ہے کہ وہ نہ پوری عورت رہتی ہے۔ نہ پوری مرد بن سکتی ہے اور اپنے اصل دائرۂ عمل میں جس کے لیے وہ فطرتاً پیدا کی گئی ہے ناکام رہ جاتی ہے۔ معاشرہ اور ریاست کا نقصان یہ ہے کہ وہ اہل کارکنوں کے بجائے نااہل کارکنوں سے کام لیتا ہے اور عورت کی آدھی زنانہ اور آدھی مردانہ خصوصیات سیاست اور معیشت کو خراب کر کے رکھ دیتی ہیں۔ اس سلسلے میں گنتی کی چند سابقہ معروف خواتین کے نام گنانے سے کیا فائدہ۔ دیکھنا تو یہ ہے کہ جہاں لاکھوں کارکنوں کی ضرورت ہو کیا وہاں تمام خواتین موزوں ہو سکیں گی؟ ابھی حال ہی

میں مصر کے سرکاری محکموں اور تجارتی اداروں نے یہ شکایت کی ہے کہ وہاں بحیثیت مجموعی ایک لاکھ دس ہزار خواتین جو مختلف مناصب پر کام کر رہی ہیں، بالعموم ناموزوں ثابت ہو رہی ہیں اور ان کی کارکردگی مردوں کی بہ نسبت ۵۵ فیصدی سے زیادہ نہیں۔ پھر مصر کے تجارتی اداروں نے یہ عام شکایت کی ہے کہ عورتوں کے پاس پہنچ کر کوئی راز، راز نہیں رہتا۔ مغربی ممالک میں جاسوسی کے جتنے واقعات پیش آتے ہیں ان میں بھی عموماً کسی نہ کسی طرح عورت کا دخل ہوتا ہے۔

عورتوں کی تعلیم سے اسلام ہرگز نہیں روکتا۔ اعلیٰ سے اعلیٰ تعلیم ان کو دلوائی جانی چاہیے۔ لیکن چند شرطوں کے ساتھ۔ اوّل یہ کہ ان کو وہ تعلیم خاص طور پر دی جائے جس سے وہ اپنے دائرہ عمل میں کام کرنے کے لیے ٹھیک تیار ہو سکیں اور ان کی تعلیم بعینہٖ وہ نہ ہو جو مردوں کی ہو دوسرے یہ کہ تعلیم مخلوط نہ ہو اور عورتوں کو زنانہ تعلیم گاہوں میں عورتوں ہی سے تعلیم دلوائی جائے۔ مخلوط تعلیم کے مہلک نتائج مغربی ترقی یافتہ ممالک میں اس حد تک سامنے آ چکے ہیں کہ اب صرف عقل کے اندھے ہی ان کا انکار کر سکتے ہیں۔ مثال کے طور پر دیکھیے امریکہ میں ۱۷ سال تک عمر کی لڑکیاں جو ہائی اسکولوں میں پڑھتی ہیں مخلوط تعلیم کی وجہ سے ہر سال ان میں سے اوسطاً ایک ہزار حاملہ نکلتی ہیں۔ گو ابھی یہ شکل ہمارے ہاں رونما نہیں ہوئی ہے لیکن اس مخلوط تعلیم کے نتائج کچھ ہمارے سامنے بھی آنے شروع ہو گئے ہیں۔ تیسرے یہ کہ اعلیٰ تعلیم یافتہ خواتین سے ایسے اداروں میں کام لیا جائے جو صرف عورتوں کے لیے ہی مخصوص ہوں مثلاً زنانہ تعلیم گاہ اور زنانہ ہسپتال وغیرہ۔

اسلامی حکومت میں معاشرہ کی اصلاح و تربیت

سوال: کیا اسلامی حکومت خواتین کی بڑھتی ہوئی آزادی کو سختی سے روکے گی؟ جیسے ان کی زیبائش اور نیم عریاں لباس زیب تن کرنے اور فیشن کا رجحان اور جیسے آج کل نوجوان لڑکیاں نہایت تنگ و دلفریب سنٹ سے معطّر لباس اور غازہ و سرخی سے مزیّن اپنے ہر خد و خال اور نشیب و فراز کی نمائش بر سر عام کرتی ہیں اور آج کل نوجوان لڑکے بھی ہالی وڈ فلموں سے متاثر ہو کر ٹیڈی بوائز بن رہے ہیں، تو کیا حکومت قانون کے ذریعہ سے ہر مسلم

و غیر مسلم لڑکے اور لڑکی کے آزادانہ رجحان کو روکے گی؟ خلاف ورزی پر سزا دے گی؟ والدین وسرپرستوں کو جرمانہ کیا جاسکے گا؟ تو اس طرح کیا ان کی شہری آزادی پر ضرب نہ لگے گی؟.... کیا گرلز گائیڈ۔ اپوا(Apwa) یا دیگر وائی ایم سی۔ اے۔(Y.M.C.A.) اور وائی ڈبلیو سی اے (Y.W.C.A.) جیسے ادارے اسلامی نظام میں گوارا کیے جاسکتے ہیں؟ کیا خواتین خواہ اسلامی عدلیہ سے ہی سہی خود طلاق لینے کی مجاز ہوسکیں گی اور مردوں پر ایک سے زیادہ شادی کی پابندی آج جائز ہوگی؟ یا خواہ اسلامی عدالت کے روبرو ہی ان کو اپنی پسند سے Civilmarrige کرنے کا حق حاصل ہوسکتا ہے؟ کیا خواتین کو یوتھ فیسٹیول، کھیلوں، نمائش، ڈراموں، ناچ، فلموں یا مقابلہ حسن میں شرکت یا Air Hostess وغیرہ بننے کی آج بھی اسلامی حکومت مخالفت کرے گی، ساتھ ہی قومی کردار تباہ کرنے والے ادارے مثلاً سنیما، فلمیں، ٹیلی ویژن، ریڈیو پر فحش گانے وعریاں رسائل ولٹریچر، موسیقی، ناچ ورنگ کی ثقافتی محفلیں وغیرہ کو بند کردیا جائے گا یا فائدہ اٹھانا ممکن ہوگا:

جواب: اسلام معاشرہ کی اصلاح وتربیت کا سارا کام محض قانون کے ڈنڈے سے نہیں لیتا۔ تعلیم، نشرواشاعت اور رائے عام کا دباؤ اس کے ذرائع اصلاح میں خاص اہمیت رکھتے ہیں۔ ان تمام ذرائع کے استعمال کرنے کے بعد بھی اگر کوئی خرابی باقی رہ جائے تو اسلامی قانونی وسائل اور انتظامی تدابیر استعمال کرنے میں بھی تامل نہیں کرتا۔ عورتوں کی عُریانی اور بے حیائی فی الواقع ایک بہت بری بیماری ہے جسے کوئی سچی اسلامی حکومت برداشت نہیں کرسکتی۔ یہ بیماری اگر دوسری تدابیر اصلاح سے درست نہ ہو یا اس کا وجود باقی رہ جائے تو یقیناً اس کو ازروئے قانون روکنا پڑے گا۔ اس کا نام اگر شہری آزادی پر ضرب لگانے کے مترادف ہے۔ اجتماعی زندگی لازماً افراد پر کچھ پابندیاں عائد کرتی ہے۔ افراد کو اس کے لیے آزاد نہیں چھوڑا جاسکتا کہ وہ اپنے ذاتی رجحانات اور دوسروں سے سیکھی ہوئی برائیوں سے اپنے معاشرے کو خراب کریں۔

گرلز گائیڈ کے لیے اسلام میں کوئی جگہ نہیں۔ اپوا (Apwa) قائم رہ سکتی ہے بشرطیکہ وہ اپنے دائرہ عمل میں رہ کر کام کرے اور قرآن کا نام لے کر قرآن کے خلاف طریقے استعمال کرنا چھوڑ دے

YWEA عیسائی عورتوں کے لیے رہ سکتا ہے مگر کسی مسلمان عورت کو اس میں گھسنے کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔ مسلمان عورتیں چاہیں تو YWMA بنا سکتی ہے، بشرطیکہ وہ اسلامی حدود میں رہیں۔

مسلمان عورت اسلامی عدلیہ کے ذریعہ سے خلع حاصل کرسکتی ہے (NULLIFICATION) اور تفریق Indicial Saparation کی ڈگری بھی عدالت سے حاصل کرسکتی ہے، بشرطیکہ وہ شریعت کے مقرر کردہ قوانین کے مطابق میں سے کوئی ڈگری عدالت سے حاصل کرنے کی مجاز ہو۔ لیکن طلاق Divorce کے اختیارات قرآن نے صریح الفاظ میں صرف مرد کو دیئے ہیں اور کوئی قانون مردوں کے اس اختیار میں مداخلت نہیں کرسکتا، یہ اور بات ہے کہ قرآن کا نام لے کر قرآن کے خلاف قوانین بنائے جانے لگیں۔ پوری اسلامی تاریخ عہدِ رسالت سے لے کر اس صدی تک اس تصور سے نا آشنا ہے کہ طلاق دینے کا اختیار مرد سے سلب کرلیا جائے اور کوئی عدالت یا پنچایت اس میں دخل دے۔ یہ تخیل سیدھا یورپ سے چل کر ہمارے ہاں درآمد ہوا ہے اور اس کے درآمد کرنے والوں نے کبھی آنکھیں کھول کر یہ نہیں دیکھا ہے کہ یورپ میں اس قانونِ طلاق کا پس منظر کیا ہے اور وہاں اس کے کتنے بُرے نتائج رونما ہوئے ہیں۔ ہمارے ہاں جب گھروں کے سکنڈل نکل کر بازاروں میں پہنچیں گے تو لوگوں کو پتہ چلے گا کہ خدا کے قوانین میں ترمیم کے کیا نتائج ہوتے ہیں۔

مردوں پر ایک سے زیادہ شادی کے معاملہ میں ازروئے قانون پابندی عائد کرنے کا یا اس میں رکاوٹ ڈالنے کا تخیل بھی ایک بیرونی مال ہے جسے قرآن کے جعلی پرمٹ پر درآمد کیا گیا ہے۔ یہ اُس سوسائٹی میں سے آیا ہے جس میں ایک ہی عورت اگر منکوحہ بیوی کی موجودگی میں داشتہ کے طور پر رکھی جائے تو نہ صرف یہ کہ وہ قابلِ برداشت ہے بلکہ اس کے حرامی بچوں کے حقوق محفوظ کرنے کی بھی فکر کی جاتی ہے۔ (فرانس کی مثال ہمارے سامنے ہے) لیکن اگر اسی عورت سے نکاح کرلیا جائے تو یہ جرم ہے۔ گویا ساری پابندیاں حلال کے لیے ہیں۔ حرام کے لیے نہیں ہیں۔ سوال یہ ہے کہ اگر کوئی شخص قرآن مجید کی ابجد سے بھی واقف ہو تو کیا وہ یہ اقدار Values اختیار کرسکتا ہے؟ کیا اس کے نزدیک زنا قانوناً جائز اور نکاح قانوناً حرام ہونے کا عجیب وغریب

فلسفہ برحق ہوسکتا ہے؟ اس طرح کے قوانین بنانے کا حق حاصل اس کے سوا کچھ نہ ہوگا کہ مسلمانوں میں زنا کا رواج بڑھے گا۔ گرلز فرینڈز اور داشتائیں Mistresses فروغ پائیں گی اور دوسری بیوی ناپید ہو جائے گی۔ یہ ایک ایسی سوسائٹی ہوگی جو اپنے خدوخال میں اسلام کی اصل سوسائٹی سے بہت دُور اور مغربی سوسائٹی سے بہت قریب ہوگی۔ اس صورتِ حال کے تصور سے جس کا جی چاہے مطمئن ہو۔ مسلمان کبھی مطمئن نہیں ہوسکتا۔

سول میرج کا سوال ظاہر ہے کہ مسلمان عورت کے ساتھ تو پیدا نہیں ہوتا۔ یہ سوال اگر پیدا ہوتا ہے تو کسی مشرک عورت سے شادی کرنے کے معاملہ میں یا کسی ایسی عیسائی یا یہودی عورت سے شادی کے معاملہ میں جو اسلامی قانون کے تحت کسی مسلمان سے نکاح کرنے کے لیے تیار نہ ہو اور مسلمان مرد اس کے عشق میں مبتلا ہو کر اس اقرار کے ساتھ شادی کرے کہ وہ کسی مذہب کا پابند نہ ہوگا۔ یہ کام اگر کسی کو کرنا ہی ہو تو اسے اسلام سے فتویٰ لینے کی کیا ضرورت ہے؟ اور اسلام کیوں اپنے ایک پیرو کو اس کی اجازت دے؟ اور ایک اسلامی عدالت کا یہ کام کب ہے کہ مسلمانوں کی اس طریقہ پر شادیاں کروائے؟

اگر ایک اسلامی حکومت بھی یوتھ فیسٹیول اور کھیلوں کی نمائشوں اور ڈراموں اور رقص و سرود اور مقابلۂ حسن میں مسلمان عورتوں کو لائے یا ایر ہوسٹس Air Hostess بنا کر مسافروں کے دل موہنے کی خدمت اس سے لے تو ہمیں معلوم ہونا چاہیے کہ اسلامی حکومت کی آخری ضرورت کیا ہے؟ یہ سارے کام تو کفر اور کفار کی حکومت میں بآسانی ہوسکتے ہیں بلکہ زیادہ آزادی کے ساتھ ہوسکتے ہیں۔

سینما، فلم، ٹیلی ویژن اور ریڈیو وغیرہ تو خدا کی پیدا کردہ طاقتیں ہیں جن میں بجائے خود کوئی خرابی نہیں۔ خرابی اُن کے استعمال میں ہے جو انسانی اخلاق کو تباہ کرنے والا ہے۔ اسلامی حکومت کا کام ہی یہ ہے کہ وہ ان ذرائع کو انسانیت کی فلاح کے لیے استعمال کرے اور اخلاقی فساد کے لیے استعمال ہونے کا دروازہ بند کردے۔

❀❀❀

غزل

ادریس ضیاء

مت بہا اشک کہ رسوائی بہت ہوتی ہے
یاد رکھ دنیا تماشائی بہت ہوتی ہے

صرف اک سچ ہے کہ سولی ہے مقدر جس کا
ورنہ ہر شے کی پذیرائی، بہت ہوتی ہے

شکریہ آپ نے پہچان لیا ایسے میں
یہ بھی امداد مرے بھائی بہت ہوتی ہے

زلزلے ان کے تعاقب میں لگے رہتے ہیں
جن عمارات کی اونچائی بہت ہوتی ہے

اس قدر ہوچکا انسان مسائل کا شکار
اب تو محفل میں بھی تنہائی بہت ہوتی ہے

لاکھ دولت کے سہارے کوئی ہوجائے بلند
پھر بھی کردار کی اونچائی بہت ہوتی ہے

پیار کتنا ہی کرو کتنا ہی چاہو اس کو
زندگی اے ضیاء ہرجائی بہت ہوتی ہے

تحریر: ڈاکٹر جنید اقبال قریشی

وجود زن

انسانی تہذیب وتمدن کی قدیم اور مقابلتہً جدید تاریخ پر نگاہ ڈالیں تو آپ کو بے شمار ایسے شواہد و واقعات ملیں گے جن سے اس بات کا پتہ چلے گا کہ عورت کو مختلف زمانوں اور ادوار میں گناہ، فسق و فجور اخلاق باختگی کا مجسمہ اور منبع تصور کیا جاتا تھا اور اسے معاشرے میں محض باندی کا درجہ حاصل تھا۔ ہندوستان میں عورتوں کو ویدوں کی تعلیم حاصل کرنے کی اجازت نہ تھی، بدھ مت میں عورت کی محبت میں گرفتار شخص کو قابلِ نجات نہ سمجھا جاتا تھا۔ عیسائیت اور یہودیت میں بھی عورت کو نجس و ناپاک سمجھا جاتا تھا اور اسے ازلی گناہ اور دیگر تمام برائیوں کا باعث تصور کیا جاتا تھا۔ یونانی گھریلو عورت کو علم کے حصول اور معاشرتی اقدار میں تربیت کے قابل نہ سمجھتے تھے۔ روم، چین، ایران، مصر اور قدیم تہذیب کے دیگر مراکز میں بھی عورتوں سے متعلق خیالات و آراء مختلف نہ تھیں۔ زمانہ قبل از اسلام میں عربوں کے ہاں بھی عورت معاشرے کا ایک مظلوم و مقہور طبقہ تھی۔ چنانچہ لڑکی کی پیدائش پر عرب قبائل جس غیظ وغضب کا مظاہرہ کر رہے تھے اس کے بیان سے زبان و قلم قاصر ہیں۔ بچیوں کو پیدا ہوتے ہی زندہ درگور کر دیا جاتا تھا کیونکہ کوئی عرب سردار اس بات کو گوارا نہ کر سکتا تھا کہ کوئی مرد اس کی بیٹی کا شوہر اور اس کا داماد کہلوائے، یہ تنگ نظری اور کج فکری کی گویا انتہا تھی۔ اس سماجی و تہذیبی پس منظر میں ہادی برحق حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اسلام کا انقلاب آفریں پیغام لے کر دنیا میں تشریف لائے۔ آپ نے عورتوں کو حد درجہ پست اور حقیر سطح سے اوپر اٹھا کر ان کو معاشرے میں عزت و شرف کے اعلیٰ مقام پر

متمکن کر دیا۔ حقیقت یہ ہے کہ اسلامی انقلاب اس دور کے غلامانہ نظام کی چیرہ دستیوں کے خلاف ردعمل کا فطری نتیجہ تھا اس کا مقصود و منتہی اور مقہوروں کی دادرسی اور دلجوئی تھا۔ یہ گویا اس دور کے ظلم و جبر کی بادِسموم کی جگہ رحمت و شفقت کی بادِ نسیم تھا۔ غلامی اور سماجی ناانصافی کی زنجیروں میں جکڑی ہوئی انسانیت کے لیے اسلام کا پیغام گویا آزادی اور انصاف و عدل کا پیغام تھا۔ عورت چونکہ شروع سے ہی معاشرے کا مظلوم و مجبور طبقہ تھی لہٰذا اسلام نے پہلی دفعہ عورت کے مقام و مرتبے کو عزت و شرف سے ہمکنار کیا، عورت کو اس کا جائز مقام دیا گیا اور اس کے فرائض کے ساتھ ساتھ اس کے حقوق کا بھی تعین کیا گیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنے عمل اور اسوۂ حسنہ سے یہ بات طے کر دی کہ عورت کی تعظیم و تکریم کا خیال رکھنا مردوں کے لیے لازم اور ضروری ہے۔ چنانچہ دائی حلیمہ سعدیہؓ جب بھی حضورؐ کے ہاں تشریف لاتیں تو آپؐ اُن کی تعظیم کے لیے کھڑے ہو جاتے اور ان کے بیٹھنے کے لیے اپنی چادر مبارک بچھا دیتے۔ حضورؐ نے متعدد بار عورتوں کے حقوق کا خیال رکھنے اور انھیں ایک قابلِ عزت مخلوق سمجھنے کی ہدایت و نصیحت فرمائی۔ آپ نے ماں کی خدمت کو جنت میں داخلے کی کنجی قرار دیا۔ بچیوں کی پرداخت اور تربیت کو روزِ قیامت اپنے قرب کا ذریعہ بتایا اور بیوی سے حسنِ سلوک کو اپنا سورۂ حسنہ بتلایا۔ حجۃ الوداع کے خطبے میں بھی سب سے زیادہ زور عورتوں کے حقوق کے تحفظ پر ہے، ایک حدیث میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ''مرد کے لیے دنیا میں اسلام کے بعد سب سے بڑی نعمت ایک اچھی بیوی ہے'' ایک اور حدیث میں ارشادِ نبویؐ ہے، ''تم میں سب سے بہتر وہ ہے جو اپنے اہلِ خانہ کے ساتھ اچھا سلوک کرے.... ''میں خود اپنی ازدواج کے ساتھ بہترین سلوک کرتا ہوں''۔ ایک اور حدیث میں آنحضرتؐ کا ارشاد یوں ہے۔ ''عورتوں سے بھلائی کرنے سے متعلق میری نصیحت مانو''۔ مزید ایک حدیث بھی غور و توجہ طلب ہے جس میں حضورؐ کا ارشادِ گرامی ہے کہ ''عورتوں کے حقوق ادا کرنے میں خدا سے ڈرو''۔ قرآن حکیم میں بھی عورتوں کے حقوق کے متعلق آیات موجود ہیں چنانچہ سورۃ البقرہ میں ارشادِ خداوندی ہے ''عورتوں کے لیے بھی معروف طریقے پر ویسے ہی حقوق ہیں جیسے مردوں کے حقوق ان پر ہیں''۔ مرد و زن کے برابر حقوق کا افشاء اس بات سے بھی بخوبی ہوتا ہے کہ اسلام میں کسی مرد کو یہ اجازت نہیں دی گئی کہ وہ عورت کی مرضی کے خلاف اس سے شادی کرے۔ سورۂ

الاحزاب میں تقویٰ و پرہیزگاری سے متعلق جن گیارہ انسانی اوصاف و کمالات کا تعین کیا گیا ہے۔ ان میں مراحلِ کمال طے کرنے اور مراتب جلیلہ پانے میں مرد اور عورت کو برابر قرار دیا گیا ہے اور اس میں کسی قسم کی جنسی تفریق کو روا نہیں رکھا گیا۔ حقیقت یہ ہے کہ مرد اور عورت زندگی کی گاڑی کے دو پہیوں کی مانند ہیں اگر یہ پہیئے برابر و متوازن ہوں گے تو زندگی کی گاڑی سکون و آرام کے ساتھ جادۂ حیات پر رواں دواں رہے گی۔ لیکن اگر ایک پہیہ چھوٹا اور ایک بڑا ہو جائے تو یہ گاڑی ہچکولوں اور دھچکوں کی زد میں آکر شکست و انہدام سے ہمکنار ہو جائے گی۔ اسلام میں چونکہ مرد عورت کے معاشرتی کردار و اعمال میں امتیاز کا کوئی پہلو موجود نہیں، لہٰذا قرآنی احکام و ہدایت کا اطلاق مرد و زن دونوں پر برابر طور پر ہوتا ہے۔ چنانچہ اگر عورت کو اگر یہ ہدایت ہے کہ وہ غیر مردوں کے سامنے اپنی چادر اپنے چہرے اور سینے پر کھینچ لیا کرے تو مرد کو بھی یہ حکم ہے کہ وہ غضِ بصر سے کام لے، اس بیان و اظہار سے ایک بات جو واضح ہوتی ہے وہ یہ ہے مرد اور عورت ایک دوسرے کے شریک کار ہو سکتے ہیں۔ بشرطیکہ معاشرہ اسلامی ہو اور اس میں محولا بالا قرآنی ہدایات و احکامات کی پابندی ہوتی ہو۔ اگر ایسا نہ ہو سکتا ہو تو عورت کو اپنی زیب و زینت چھپانے اور مرد کو غضِ بصر سے کام لینے کی ہدایت دینے کی کیا ضرورت تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ اسلام کے ابتدائی دور کی تاریخ میں بھی ہمیں کوئی ایسے آثار و شواہد نہیں ملتے جن سے معاشرتی کردار و افعال کے ضمن میں عورت اور مرد میں کسی قسم کی تفریق و امتیاز کی نشاندہی ہوتی ہو۔ اس کے برعکس ہمیں ایسی بے شمار مثالیں ملتی ہیں جن سے اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ عورت اسلامی معاشرے میں زندگی کے مختلف شعبوں میں سرگرم عمل رہی ہے، یہاں تک کہ بعض معزز و اکابر خواتین نے اپنی اہلیت و صلاحیت کا لوہا منوایا ہے۔ اب میں سطور زیریں میں چند ایسی مثالیں پیش کرنا چاہتا ہوں جن سے میرا یہ بتانا مقصود ہے کہ عورتوں کو کن مختلف شعبہ ہائے حیات میں نمایاں حیثیت اور بعض صورتوں میں مردوں پر بھی افضلیت حاصل رہی ہے۔

عورت اور تصدیق نبوت:

حضرت جبرئیل جب پہلی بار حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس وحی لے کر آئے تو آپ

بہت گھبرا گئے تھے۔ ایسی صورت میں حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ ایک عورت ہی تھیں جنھوں نے نہ صرف آنحضورؐ کو تسلی دی اور آرام وسکون دیا بلکہ آپ کی نبوت کی گواہی ان الفاظ میں دی۔

''اے میرے چچا کے بیٹے! تمھیں بشارت ہو کہ خدیجہ کی جان جس بزرگ ہستی کے قبضے میں ہے تم اس کے نبی ہو''۔ اس یقین دہانی سے آنحضرتؐ نہ صرف مطمئن اور پرسکون ہو گئے بلکہ آپ اکثر یہ فرمایا کرتے تھے کہ خدیجہؓ کے مجھ پر بہت احسان ہیں، انھوں نے میری نبوت کی تصدیق اس وقت کی جب کہ قوم نے مجھ کو جھٹلایا۔

عورت اور روحانی مراتب:

تقویٰ و پرہیزگاری اور بزرگی وشرافت صرف مردوں کے لیے مخصوص نہیں ہے۔ قرآن حکیم کی آیۂ کریمہ ''ان اکرمکم عنداللہ اتقاکم''۔ (یعنی تم میں سب سے زیادہ عزت وتکریم کے لائق وہ ہے جو تقویٰ میں سب سے آگے ہو) کے مخاطب مرد اور عورت دونوں ہیں اور جو بھی تقویٰ کے معیار پر پورا اترے گا وہی خدا کے قرب کا حقدار ہوگا۔ حضرت خدیجۃ الکبریٰ کے ایمان وایقان کا یہ عالم تھا کہ جب آپ آنحضورؐ کی نبوت کی تصدیق کر چکیں تو ابنِ اسحٰق اور ابنِ ہشام کے مطابق آنحضورؐ نے ان کے ساتھ اسی طرح نماز ادا کی جس طرح جبرئیل کے ساتھ پڑھی تھی اسلام کی خاطر شہادت کا شرف بھی سب سے پہلے ایک عورت سیدہ سمیہؓ کے حصے میں ہی آیا تھا جنھیں ابوجہل نے برچھی کا وار کر کے شہید کیا تھا۔

عورت اور علمی مراتب:

اسلام وہ مذہب ہے جس کا پہلا لفظ ہی اقراء تھا۔ اس مذہب کے پیشوا نے اپنی امت کے ہر مرد وعورت کے لیے حصولِ علم لازمی قرار دیا تھا۔ رسول اللہ کی حدیث ''اُطْلُبُوا الْعِلْمَ وَلَوْ کَانَ بِالصِّیْنِ ''میں مرد اور عورت کی کوئی تخصیص نہیں بلکہ دونوں کے لیے علم کے حصول کی خاطر سفر کی صعوبتیں برداشت کرنے کی ہدایت جاری کی گئی ہے۔

❀❀❀

سروری عالم شاہ ورنگی

مثالی بیوی

میرے نزدیک مثالی بیوی وہ ہے جو اپنے ہر ہر حرف کا صحیح مصداق ہو۔

م: محبت سے لبریز۔ مہربانیوں کا مخزن، مہر وفا کا مجسمہ اور مہمان نواز۔

ث: سے ثابت قدم، ثبوتِ دین دینے والی، ثمرِ رحمت سے مالا مال۔

ا: سے ایمان والی، امن والی، الفت و اتفاق والی اور انسانیت کی جیتی جاگتی تصویر، ایثار والی۔

ل: سے لامتناہی حد تک جس کا قلب و نظر وسیع ہو۔ لاالہ الا اللہ، اور شریک لہٗ کی ماننے والی اور لاثانی خوبیوں کی حامل۔

ی: سے یادگار اخلاق، کردار اور گفتار والی۔

و: سے وحدانیت خدا کو ماننے والی، وفا شعار اور وعدے کے پابندی کرنے والی۔

ی: یادِ خدا کرنے والی، یا وہ بدگوئی سے پرہیز کرنے والی۔

آیئے اب ان الفاظ کے مفہوم کی روشنی میں مثالی بیوی کے کردار پر بحث کریں۔

دنیا میں اچھے لوگ بھی ہوتے ہیں اور بُرے بھی۔ مگر بُروں کو ہمیشہ اچھوں کی مثال دے کر راہِ راست پر لایا جا سکتا ہے۔ ان کو ایسی مثال دی جا سکتی ہے کہ آسمان کی لامحدود وسعتوں میں جب سیاہ بادل چھائے رہتے ہیں تو دنیا کتنی تاریک لگتی ہے ایسے میں جب چاند اپنی سہانی اور ٹھنڈی چاندنی ساری کائنات پر بکھیرتا ہے تو یہ ساری تاریکی اپنے آپ غائب ہو جاتی ہے اس طرح

ایک مثالی کردار دوسروں کے لیے مشعلِ راہ بن سکتا ہے۔ مثالی بیوی کائنات کی ساری بیویوں کے لیے نمونہ ہوتی ہے۔ وہ ایک آسمانی تحفہ ہوتی ہے، گھر کی روح ہوتی ہے جو سارے گھر کو جنت بنائے رکھتی ہے۔ دعوتِ دین کسی شبہ نشین پر بیٹھ کر ہی دینا ضروری نہیں یہ چلتے پھرتے اُٹھتے بیٹھتے دی جاسکتی ہے۔ جو ایک مثالی بیوی دے سکتی ہے۔ علم ہوگا تو خوفِ خدا ہوگا اور خوفِ خدا جس دل میں مکین ہوگا وہ بُرائیوں سے پاک ہوگا۔ سب سے پہلے مثالی بیوی کو باعلم اور علم دوست ہونا چاہیے۔ اس کا سینہ علم کا ایسا عمیق سمندر ہونا چاہیے کہ وہ ہر ہر نکتے کو دوسروں کو سمجھا کر راہِ راست پر لاسکے۔ جس طرح حضرت عائشہ علم سے مالا مال تھیں۔ اُن سے صحابہ تک رائے لینے آتے تھے اور وہ ان کو تشفی بخش جواب دیتیں۔ علم کے ساتھ اس میں حیاء کا زیور بھی ہونا چاہیے۔

"اَلْحَیَاءُ مِنَ الْاِیْمَان"

"یعنی حیاء ایمان کا جُز ہے"

حیاء کا جذبہ دیکھ کر بد انسان بھی اپنے بد ارادوں سے رُک جاتا ہے۔ یہ بیوی محبت سے لبریز ہو اور اس کی محبت کا پیمانہ اتنا وسیع ہو کہ اس میں گھر کے اور سماج کے سب ہی سما سکیں۔ مثالی بیوی اپنے پیار و محبت، ایثار، مہربانی مہمان نوازی اور بے پناہ اور بے لوث خدمت سے نہ صرف اپنے شوہر بلکہ اپنے پورے سُسرال کے لوگوں میں اعتماد اور وقار حاصل کر لیتی ہے۔ اس کو ایثار کا مجسمہ ہونا چاہیے جو اپنا سب کچھ دوسروں پر نچھاور کر سکے ایسا کرنے سے اسے دائمی خوشی حاصل ہوتی ہے۔ مثالی بیوی ہمہ گیر قابلیتوں کی خاتون ہونا چاہیے جس میں علمی سماجی قومی خدمات کا جذبہ قابلِ صد تحسین و آفریں ہونا چاہیے۔ جو کچھ اس کو ملتا ہے اس کو مقدر سمجھ کر اس پر قانع رہنے والی ہو۔ شاکر ہو منصف ہو جس کے دل میں اللہ کی محبت پہلے اور بعد میں اللہ کے بندے کی محبت ہو۔

"وَالَّذِیْنَ آمَنُوْا اَشَدُّ حُبًّا لِلّٰہِ"

"جو ایمان والے ہیں وہ اللہ کی محبت میں سب سے آگے ہیں"۔

اللہ کی محبت میں سرشار رہنے والوں کے قدم کبھی نہیں ڈگمگاتے۔ اس کا اخلاق بہترین ہو۔

"حُسْنُ الْخُلْقِ نِصْفُ الدِّیْنِ"۔

"خوش خلقی آدھا دین ہے"۔

جو کبھی کسی کا دل نہ توڑے کسی کو تکلیف نہ دے۔ اس کو اپنے گھر، شوہر اہل وعیال کی ذمہ داری محبت اور نیک سلوک سے نبھانا چاہیے۔ حاجت مند کی حاجت حتی المقدور پوری کرنا چاہیے۔ بڑوں کا ادب چھوٹوں سے شفقت مروت امداد ہمدردی رواداری کے فرائض بھی انجام دینا چاہیے۔ وہ اپنے شوہر کو خوش رکھ کر جنت کی حقدار ہوگی، اور سب کو خوش رکھ کر جنت الفردوس کی حقدار ہوگی۔ رحم دلی بھی اس کی ایک خاصیت ہونا چاہیے وہ صابر ہو۔ اس کا سب سے اتفاق سے رہنا اس کی عزت بڑھائے گا۔ جس خاندان میں اتفاق واتحاد رہتا ہے وہ ہر بلا سے آزاد اور آباد رہتا ہے اور اُس کی ذمہ داری صرف مثالی بیوی پر ہی ہے۔ وہ کسی میں پھوٹ ڈالنے والی نہ ہو، ہر ایک کی خیر خواہ ہو، کبر وغرور سے عاری ہو، حسد کی آگ سے اس کا دور کا بھی واسطہ نہ ہو، عیب جوئی، ریاکاری، غیبت سے دور رہنے والی ہو، بدگمان نہ ہو، بدزبان نہ ہو، بغض طعن کرنے والی نہ ہو، دین کے نور سے اس کا سینہ معمور ہو، صوم وصلوٰۃ کی پابند ہو، انسانیت کا خزینہ ہو، درگزر کرنے والی ہو۔ حلال کھانے والی ہو۔ کفایت شعار ہو۔ دین کے واسطے شوقِ جہاد رکھنے والی میدانِ جنگ میں بہادری سے لڑنے والوں کی تلواروں، تیروں کی چھاؤں میں مدد دینے والی ہو، آواز پست رکھ کر نرمی سے گفتگو کرنے والی اعتدال پسند فیشن پر نہ چلنے والی ہو، حق وصداقت میں بہادری بے مثال ہونا چاہیے۔ باحوصلہ ہو مردوں کے حوصلے بلند کرنے والی ہو، عورت ایک ایسی طاقتور چیز ہے جو میدانِ جنگ میں حوصلہ پست ہونے والوں کے حوصلے بلند کرسکتی ہے۔ جو ہر مصیبت کا مسکراتے ہوئے مقابلہ کرے جو سخی ہو۔ یہ سب خصوصیات کی حامل خدا کی رحمت کے ثمروں سے مالا مال ہوجاتی ہے۔ اس کی شخصیت سماج میں ایسی موثر اور متاثر کن ہوگی کہ بیان سے باہر، ایسی بیوی کائنات کو پُر رنگ اور پُر نور بنا سکتی ہے جب ہی دانشور شاعر مشرق نے اس کے بارے میں کہا ہے۔

وجودِ زن سے ہے تصویرِ کائنات میں رنگ

❀❀❀

صالحہ بیگم بجلی

مومن خاتون کا کردار

خدا نے ہم سب انسانوں کو ایک ہی جان سے پیدا کیا ہے۔ مگر عورت اور مرد کی جسمانی بناوٹ اور مزاج الگ الگ بنائے ہیں۔ دونوں کو ایک دوسرے کی سہارے کی ضرورت ہوتی ہے۔ لیکن دونوں کے کام اور میدان کار الگ الگ ہیں، اور دونوں مل جل کر زندگی کی گاڑی کو آگے بڑھاتے ہیں، آپس کا تعاون نہ ہو تو یہ گاڑی ایک قدم آگے نہیں بڑھ سکتی۔

خدا کی بندگی کا مطالبہ مرد سے بھی ہے اور عورت سے بھی۔ آخرت کی جواب دہی دونوں کے لیے یکساں ہے۔ لیکن اس یک رنگی کے باوجود دونوں کی صفات، قوتِ عمل اور دائرۂ عمل میں فرق ہے۔ عورت مرد کے گھر کی زینت اور عزت ہوتی ہے۔ وہ گھر کی آبرو سنبھالتی ہے۔ وہ گھر کی حفاظت اور بچوں کی پرورش کرتی ہے۔ خانہ داری کا انتظام درست کرتی ہے۔ مرد اس کے لیے روٹی کپڑے کا انتظام کرتا ہے اور اُس کی حفاظت کرتا ہے، اس طرح زندگی کا کاروبار دو حصوں میں بٹ گیا ہے۔ باہر کے معاملات ایک کے ذمے اور گھر کے اندر کی ذمہ داری دوسرے پر ہے۔ یہ خدا کا کرم ہی ہے کہ مرد کو باہر کے کاموں کے لیے ضروری صفات دیں اور عورت کو گھر کی زینت بننے کے لیے مناسب خوبیاں دی ہیں۔ اس کے لیے گھر کی چہار دیواری ہی سکون کا گوشہ ہے اور یہی اُس کا میدانِ عمل ہے۔

خدا نے عورت کو شرم وحیا کا زیور عطا کیا ہے، حجاب اس کا بہترین لباس ہے۔ ضرورت پڑنے

پر گھر سے باہر نکلنے کی واقعی ضرورت ہو تو حکم ہے کہ اپنی آرائش و زیبائش کو چھپا کر چہرے کو ڈھانپ کر نکلیں اور کوئی بجنے والا زیور نہ پہنیں۔ نماز عورت پر بھی فرض ہے مگر اُسے مسجد جانے کی ضرورت نہیں، گھر ہی میں پڑھنا زیادہ پسندیدہ ہے، عورتیں سفر تو کریں لیکن بلا محرم کے سفر نہ کریں، غیر مردوں سے بے ضرورت باتیں نہ کریں، یہ ہیں وہ خدا کی بتائی ہوئی ہدایات جو اسلامی سماج میں ایک عورت کی شخصیت کو نکھارتی ہیں، ان ہی ہدایات پر عمل کرنے کے بعد ایک عورت مومنہ بنتی ہے۔ حدیث شریف میں بتایا ہے کہ ایک مسلمان عورت بیوی کی حیثیت سے خوش سلیقہ ہوتی ہے۔ وہ اپنے شوہر کے بہترین رفیق بُرے دنوں میں اپنے شوہر کے لیے سہارا اور بہترین غم خوار ہوتی ہے۔ مشکل وقت میں صبر کرتی ہے اور اچھے دنوں میں شکر گزار ہوتی ہے۔ قرآن کریم میں مومن خاتون کی مفصل خوبیاں بیان کی گئی ہیں جو عورت ان خوبیوں کو اپنے کردار میں جذب کر لے وہ خدا کی پسندیدہ بندی اور ایک مومنہ بنتی ہے۔ قرآن میں مسلمان خاتون کی یہ خوبیاں بیان کی گئی ہیں۔

- وہ مسلمہ ہوتی ہے۔ یعنی خدا کے احکام پر عمل کرنے والی اور اس کی رضا چاہنے والی،
- وہ مومنہ ہوتی ہے۔ خدا اور رسول اور آخرت کی جواب دہی پر ایمان لانے والی،
- قانتہ ہوتی ہے۔ زندگی کے سارے معاملات میں صرف خدا کی خوشی چاہنے والی اور اسی پر توکل کرتی ہے،
- صادقہ ہوتی ہے۔ سچ بات کہنے والی اور جھوٹ سے بچنے والی ہوتی ہے،
- صابرہ ہوتی ہے۔ مشکلات میں خدا کی رضا کے لیے صبر کرتی ہے اور راہِ حق پر جمی رہتی ہے،
- خاشعہ ہوتی ہے۔ خدا کے احکام کی پابند اور اس کے حضور جھکی ہوئی ہوتی ہے،
- متصدقہ ہوتی ہے۔ خیرات و صدقہ دینے والی عزیزوں غربا اور مساکین کے حقوق ادا کرتی ہے،
- صائمہ ہوتی ہے۔ اپنے نفس کو پاک رکھنے کے لیے روزہ رکھنے والی فرض روزوں کے علاوہ نفل روزوں کا بھی اہتمام کرتی ہے،

- حافظہ ہوتی ہے۔اپنی عصمت کی حفاظت کرتی ہے،شرم وحیا کا مجسمہ اور پاک دامن ہوتی ہے،
- ذاکرہ ہوتی ہے۔خدا کو ہمیشہ یاد رکھنے والی ہوتی ہے،کوئی حالت ہو کبھی خدا سے غافل نہیں ہوتی،

قرآن میں مسلم خاتون کی یہ صفات گنانے کے بعد دو مثالی خواتین کے کردار بھی پیش کر دیئے ہیں وہ مثالی خواتین فرعون کی بیوی حضرت آسیہ رضی اللہ عنہا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ بی بی مریم صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہیں۔حضرت آسیہؓ اپنے وقت کے ظالم بادشاہ کی بیوی ہیں جو اپنی سلطنت میں خدائی کا ڈنکا بجا رہا ہے مگر وہ خود سختی سے خدا کے دین پر کاربند رہتی ہیں۔بی بی مریم صدیقہ ایک فسادی قوم میں پلتی بڑھتی ہیں مگر وہ اپنے دامن کو ہر فساد سے بچاتے ہوئے اللہ کی راہ میں چلتی ہیں،وہ زندگی کی سختیوں کی شکایت نہیں کرتیں بلکہ خاموشی صبر واستقامت اور ارادے کی پختگی کے ساتھ اپنے مالک کی رضاجوئی میں لگی رہتی ہیں،قرآن میں دو مثالی خواتین کے کردار پیش کرنے کے بعد دو خراب کردار بھی پیش کئے ہیں وہ کردار حضرت نوح علیہ السلام کی بیوی اور حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی کے ہیں۔یہ دونوں اپنے دور کے نبی کے گھروں میں رہتی ہیں مگر وہ خود اپنے شوہروں کی تعلیمات سے فائدہ اُٹھانے کی بجائے اللہ کے باغیوں کے ساتھ مل کر اپنے شوہر سے غداری کرتی ہیں وہ ہمیشہ کے لیے مسلط رہنے والے عذاب کی مستحق ہوتی ہیں۔

قرآن میں دو اچھے اور بُرے کردار پیش کر دیئے ہیں اب انتخاب کرنے والی کو اختیار ہے کہ وہ چاہے تو بھلے کردار کی روشنی سے اپنے کردار کو روشن کرے یا بُرے کردار کی ناپاکیوں سے اپنے دامن کو ناپاک کرے۔کسی عورت کے لیے اس کی بڑائی اس کے کردار کی عظمت میں ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بیٹی بی بی فاطمہؓ اور اپنی پھوپھی حضرت صفیہؓ سے فرمایا تھا کہ اپنی اپنی آخرت کی فکر کرو،رسولؐ سے رشتہ داری آخرت میں کام نہ آسکے گی۔آخرت میں صرف تمہارے نیک اعمال ہی کام آئیں گے۔

❁❁❁

عزیز مرادآبادی

حسب معمول آج پھر میرے پڑوس میں جواریوں کا جمگھٹا تھا۔ شراب کی تیز بو قد آدم دیوار کو پار کر کے میرے گھر والوں کے احساس میں تلخی گھول رہی تھی۔ ان کے قہقہوں کی وحشت ناک جھنکار میری روح کو زخمی کر رہی تھی۔ میں دل ہی دل میں ان جواریوں، سماج کے مہلک جراثیم کے لیے بد دعا کر رہا تھا۔ میری دیوار کے اُس پار جواری شراب پی پی کر رنگ رلیاں منا رہے تھے۔ روپیوں کے ڈھیر سے کھیل رہے تھے۔ اِدھر میں پچھلے تمام دنوں سے زیادہ پریشان تھا، میری چھوٹی بچی زندگی اور موت کی کشمکش میں مبتلا تھی۔ وہ ایک مہینے سے ٹائیفائڈ کی سخت تکلیف سے دوچار تھی۔ میں جمع شدہ قلیل پونجی اس کے علاج معالجہ میں لگا چکا تھا۔ اس رات میرے پاس پھوٹی کوڑی بھی نہ تھی کہ ڈاکٹر کو بلا کر اسے دکھا سکتا۔ ڈاکٹروں کی دکانیں پرچون یا سبزی فروشوں کی دکانیں تو ہوتی نہیں کہ اُدھار سودا سلف آتا ہے اور مہینے دو مہینے میں بل چکا دیا جائے۔ ان کے ہاں تو جو بھی گاہک جاتا ہے وہ اپنی زندگی کو بیچ کر بھی ان کا بل ادا کرنے کے ارادے سے جاتا ہے، ورنہ میری طرح چپ چاپ گھر میں خدا سے مدد مانگتا رہتا ہے، اور درد و کرب کے بستر پر کروٹیں بدلتا رہتا ہے۔ میری تہی دستی اور بچی کی اضطراری کیفیت میری بڑی لڑکی نے اپنی نم آنکھوں سے بار بار دیکھی تو وہ تڑپ اٹھی۔ میں نے اُسے اپنی روہانسی آواز میں دلاسا دیا، سمجھایا، اپنی مجبوری کو بدقسمتی پر محمول کیا تو خلاف توقع اس کی چیخ نکل گئی۔ اگر مجبور انسان اپنے درد کو ضرورت سے زیادہ دبا لے تو قدرتی طور پر درد ضبط و تحمل کے سارے

بند توڑ کر آتش فشاں کی طرح پھٹ پڑتا ہے۔ میری بڑی لڑکی کے ساتھ بھی یہی ہوا تھا۔ دردناک چیخ فضا میں ابھری تو میں نے بڑھ کر اپنی بیٹی کو بانہوں کا سہارا دیا۔ ابھی میں اسے سنبھال بھی نہ سکا تھا کہ میری ہی طرح مجبور میری بیوی نے معبودِ حقیقی سے گلہ کیا۔ "خدایا! آخر تو ہمیں کن گناہوں کی سزا دے رہا ہے؟ کیا بگاڑا ہے اس ننھی سی جان نے، کسی کا جو موت اور زندگی کے لیے یکساں طور پر ترس رہی ہے۔ بیماری کی شدت سے ہلکان ہے.... خدایا! تو بھی گنہگاروں، مجرموں اور اپنے نافرنوں کو ہی ہر خوشی سے نوازتا ہے۔ برابر میں شرابی جواری کس مزے سے روپوں کے ڈھیروں سے کھیل رہے ہیں۔ انھیں ہم نے کبھی کسی دکھ کسی غم میں مبتلا نہیں دیکھا، اور یہاں ہم آئے دن کسی نہ کسی مصیبت اذیت اور پریشانی میں مبتلا ہی رہتے ہیں۔ اے خدا کہاں ہے تیرا انصاف؟ کہاں ہے تیرا کرم اور فضل؟ اے رب! کہاں ہے وہ تیری نگہبانی جو کمزوروں، مجبوروں اور بے بسوں کے لیے ہوتی ہے؟ کہاں ہے تیری وہ رحمت جس سے تو پریشان حالوں کو نوازتا ہے؟ اے خدا! اے خدا....!" کہتے کہتے میری بیوی کا گلا رُندھ گیا اور اس کی سسکیوں کی تیز آواز نے فضا میں درد انگیز ارتعاش پیدا کر دیا۔ سارا ماحول درد و غم کے سمندر میں ڈوب کر رہ گیا۔ صرف میں ہی ایسا مردِ آہن تھا جس کی آنکھوں میں آنسوؤں کے سارے سوتے شدتِ غم نے خشک کر دیئے تھے۔ تڑپتے ہوئے دل پر میں صبر و ضبط کی بھاری سل رکھے باری باری ہر ایک کو سمجھانے کی ناکام کوشش کر رہا تھا۔ رات کا ہر پل صدیوں سے بھی زیادہ گراں محسوس ہو رہا تھا۔ رات کا ایک ایک گھنٹے کا وقت منٹ کی سوئی سے بھی سے سیکڑوں گنا سست رفتار سے آگے بڑھ رہا تھا، لگتا تھا آج کی رات وقتِ سحر کے طویل فاصلے کو طے کرتے ہی کرتے دم توڑ دے گی اور ہمارا پورا گھر رات کے گہرے اندھیرے میں ہمیشہ کے لیے گُم ہو جائے گا.... میں اپنے کربناک خیالات میں گُم ہی تھا کہ خلافِ توقع دروازے پر دستک ہوئی۔ سب چونک اُٹھے، میری طرف کئی نظریں ایک ساتھ اٹھ کر سوالوں کے تیر سے مجھے زخمی کرنے لگیں۔ میں خاموشی کے ساتھ اپنی جگہ سے اٹھا اور تھکے تھکے قدموں سے دروازے تک پہونچا۔ ٹھٹکا اور اللہ کا نام لے کر دروازہ کھول دیا۔ باہر ایک شخص اپنے ہاتھ میں لالٹین لئے کھڑا تھا۔ اُس نے چند ثانئے میرے بے رنگ چہرے کا جائزہ لیا۔ میں نے اُسے پہچان لیا تھا، لیکن میری زبان سے ایک لفظ بھی نہ نکل سکا

تھا۔ اسی شخص نے پہلی کی۔ "ماسٹر جی! کیا منّی بہت بیمار ہے؟ میں نے ساری باتیں سُن لی ہیں؟ مجھے بیحد افسوس ہے، آپ یہیں ٹھہریئے میں ابھی آتا ہوں!" یہ کہہ کر وہ شخص لالٹین کی روشنی سمیت گلی سے نکل کر غائب ہوگیا۔ میں اپنی جگہ حیرت میں ڈوبا رہ گیا تھا۔ مشکل سے ایک منٹ بعد اسی لالٹین کی ملگجی روشنی پھر گلی میں بھرگئی۔ اس کے دوسرے ہاتھ میں کوئی اور چیز تھی اور اس کے پیچھے پیچھے ایک قد آور، تندرست آدمی چپ چپ کی آواز کے ساتھ جلدی ہی میرے قریب آ گیا۔ وہ ڈاکٹر تھا۔ اس کی کار گلی کے باہر شاہراہِ عام پر کھڑی تھی۔ میں نے چاہا بھی کہ اس شخص سے کہہ دوں کہ مجھے اس کی ہمدردی کی بالکل ضرورت نہیں ہے۔ حرام پیسے سے علاج کرا کے میں اپنی ننھی بیٹی کو بچانا نہیں چاہتا۔ میں نے اب تک اپنی اور خود سے وابستہ دوسری زندگیوں کی عمارت کو حلال روزی کے ستونوں پر قائم کر رکھا ہے۔ عمارت کو حرام کمائی کے پلاسٹر سے محفوظ کرنا بےوقوفی ہوگی۔ ایسے پلاسٹر سے بہتر ہے کہ درد وغم عمارت کی اینٹ اینٹ میں پیوست ہو کر اسے منہدم کر دے! لیکن بیٹی سے پیار، اہل خانہ کے دُکھ اور اپنی مفلسی اور تہی دستی کے پیش نظر میری زبان گُنگ ہوگئی تھی۔ ہر ہر لفظ کو اس شخص کے سامنے اُگلنا میرے لیے ایسا تھا جیسا انگاروں کا اُگلنا جن سے زبان اور ہونٹ جھلس سکتے تھے۔ مجبوراً میں نے محسوس کیا کہ وہ شخص جواری شرابی ہونے کے باوجود میرے لیے فرشتہ تھا۔ وہ مجھ سے جو کچھ کرنے کے لیے کہتا رہا میں مشینی انداز میں ویسا ہی کرتا رہا تھا.... مجھے نہیں معلوم کہ ڈاکٹر کی فیس، انجکشن اور دوا کے کتنے پیسے بنے تھے، میں معلوم تو تب کرتا جب میری جیب میں کوئی پیسہ ہوتا۔ صبح ہوتے تک میری مضطرب بیٹی کی حالت خدا کے فضل سے بہت بہتر ہوگئی تھی۔ میرا گھر رات بھر غم و اندوہ کے طوفان میں پھنسا رہنے کے بعد صبح کو سارے دُکھ درد بھُلا چکا تھا۔

....

تین چار دن بعد تنخواہ ملی تو میری بیوی نے اصرار کیا۔ "جایئے! جتنا حساب بنتا ہو پہلے پڑوسی کے پیسے ادا کر دیجیے! جواری شرابی کا اُدھار کوئی اچھی بات نہیں ہے۔ اُس دن سے اُس کے گھر میں شاید جُوا بھی نہیں کھیلا گیا ہے۔ آواز تو ضرور آتی، بالکل خاموشی کے کیا معنی؟ کیا پتہ وہ اپنی ساری رقم ہماری بیٹی پر خرچ کر چکا ہو! جواریوں کا کیا ہے، کبھی شاہ تو کبھی گدا۔ اپنے اعمال کا وہ خود ذمہ دار ہے۔ ہم اس

دھندے میں روڑہ کیوں اٹکائیں۔ اس نے اتنی بھلمنساہت دکھادی، بہت بڑی بات ہے، ورنہ ایسے لوگ کس کے کام آتے ہیں؟ یہ تو ہماری خوش قسمتی ہے کہ اس نے سچے پڑوسی کا کردار ادا کیا ہے۔ وہ ہنسی بھی تو اڑا سکتا تھا ہماری مفلسی کی! ایسے لوگوں سے نہ دوستی اچھی اور نہ ہی دشمنی اچھی! پہلے آپ اس کا حساب بے باق کر دیجیے! باقی لوگوں کا حساب بعد میں ہوتا رہے گا! خدا سب ٹھیک کر دے گا.....!''

بیوی کے نیک مشورے کو میں نے فوراً ہی مان لیا اور میں ناشتہ کرنے سے پہلے ہی اس کے گھر کی طرف چلا گیا۔ دروازہ کھلا ہوا تھا، میں نے آواز دی۔ جواب نہیں ملا، میں نے پھر ذرا بلند آواز میں پکارا تو اس نے اندر آنے کی اجازت دے دی۔ میں اندر گیا صحن پار کرے برآمدے میں پہونچا جہاں وہ جواری ایک ساف ستھری چوکی پر دوزانو بیٹھا اپنے رب کے حضور میں پیش تھا۔ اچانک یہ تبدیلی دیکھ کر میں حیرت زدہ رہ گیا۔ اُسے گھورتا رہا، پھر برابر والے پلنگ پر بیٹھ کر اس کی فراغت کا انتظار کرنے لگا۔ تھوڑی ہی دیر بعد اس نے دعا کے لیے ہاتھ اُٹھائے۔ اندازہ ہوا کہ وہ پورے خضوع وخشوع کے ساتھ عبادت میں مشغول تھا۔ دعائیہ کلمات کے ساتھ ساتھ اس کی ہچکیاں بندھنے لگیں اور پھر وہ باقاعدہ گڑگڑا کر دُعا مانگنے لگا۔ اس کا چہرہ آنسوؤں سے تر ہو چکا تھا۔ بہت دیر بعد وہ دعا سے فارغ ہو کر مجھ سے مخاطب ہوا۔

بھائی صاحب! صبح سویرے کیسے زحمت فرمائی؟ منّی کا کیا حال ہے؟ دوا کے لیے ڈاکٹر سے کیوں منع کرادیا؟ میں شرمندہ ہوں کہ میں جا کر منّی کی طبیعت کو بھی نہ پوچھ سکا، البتہ ڈاکٹر مجھے روزانہ کی رپورٹ دیتا رہا تھا''۔

''میں آپ کے ہمدردی کے لیے بے حد شکر گذار ہوں! منّی اب بفضلہٖ بالکل ٹھیک ہے۔ ڈاکٹر کی فیس اور دوا وغیرہ کے کل کتنے پیسے ہوتے ہیں؟ میں ادا کرنے کے لیے حاضر ہوا ہوں!'' میں نے نظریں جھکا کر اس سے معلوم کیا۔

بھائی صاحب! یہ بھی کوئی کام تھا۔ اگر کوئی اور خدمت میرے لائق ہو تو بے جھجک فرمایئے؟ اگر میں بحیثیت پڑوسی آپ کے کچھ اور کام آ سکا تو مجھے یقین ہے میرے بھاری گناہوں کا بوجھ بہت حد تک ہلکا ہو جائے گا۔ ایک رات اپنے پڑوسی کے ذرا سا کام آیا تو خدا نے میری کایا پلٹ دی۔ اس کے

لیے آپ کا شکر گزار ہونا چاہیے کہ آپ کے کام آنے سے مجھے راہِ راست مل گئی۔ ورنہ گناہوں کی دلدل سے نکلنے کا میرے پاس کوئی چارہ نہیں تھا''۔ اب اس کی آنکھیں بجائے رونے کے مسکرا رہی تھیں۔

''میں سمجھا نہیں، آپ کیا کہنا چاہتے ہیں؟'' میں نے اپنی حیرت کا اظہار کیا۔

''اچھا تو مختصر طور پر سن لیجیے! جس رات میں نے ڈاکٹر کولا کر منی کو دکھایا تھا، اسی رات خواب میں مجھ سے کوئی کہہ رہا تھا... تو نے اپنے پڑوسی کے ساتھ بغیر کسی لالچ کے جو سلوک کیا ہے، اُسے خداوند عالم نے قبول فرمالیا ہے اور تیرے پچھلے تمام گناہوں کو معاف کر دیا ہے، آئندہ تو اپنے موجودہ دھندے کو چھوڑ کر کوئی عزّت کا پیشہ اختیار کر لے تو تیری زندگی آخرت کے لیے کامیاب ہو سکتی ہے.... اس کے فوراً بعد میری آنکھ گھبرا کر کھل گئی۔ میری آنکھیں رو رہی تھیں۔ مؤذن کی آواز کانوں میں رس گھول رہی تھی۔ مجھے محسوس ہو رہا تھا کہ میرے اندر سے کوئی وزنی چیز نکل گئی ہے۔ میں نے ہلکا پھلکا سا ہو گیا تھا۔ شاید میرے گناہوں کے بوجھ میں کمی ہو گئی تھی۔ پھر مجھے احساس ہوا کہ جو خدا اتنا بڑا رحیم ہے کہ اس نے میرے ذرا سے نیک سلوک کو قبول فرما کر مجھے بے شمار فضائل سے نواز دیا تو پھر میں بھی کیوں نہ اس کا تابعدار بندہ بن جاؤں۔ اس کے احکامات کو مانوں! مختصر یہ کہ میں اٹھا، غسل کیا اور نماز فجر ادا کی۔ مجھے اپنے اندر ایک خوش گوار انقلاب محسوس ہوا۔ اسی وقت سے میں نے شراب اور جوئے جیسے بدترین مشغلہ سے توبہ کر لی ہے۔ اپنے پچھلے سارے کرتوتوں کے لیے خدا سے گڑگڑا کر معافی مانگی۔ دراصل اس تبدیلی کا سہرا آپ کے ہی سر ہے! میں نے تو اپنے پڑوسی سے فائدہ اٹھایا، لیکن آپ اپنے پڑوسی سے متاثر نہ ہو سکے..... میرا وہ خواب حقیقت میں کیا تھا؟ وہ میرا احساس تھا، شاید، جو خود بخود بیدار ہو گیا تھا اور خواب کی شکل میں مجسّم میرے سامنے آیا اور مجھ سے ہمکلام ہو گیا۔ اس طرح مجھے ہدایت مل گئی.... اب میری آپ سے مؤدبانہ درخواست ہے کہ آپ حساب کتاب صاف نہ کریں۔ اگر میں نے آپ کے اصرار پر ڈاکٹر کا بل وصول کر بھی لیا تو میری غرض کو دخل ہو جائے گا اور میرے سلوک کی اصل روح ختم ہو جائے گی.....!'' میں کچھ دیر تو خاموش بیٹھا اس فرشتے کو دیکھتا رہا پھر بے اختیار میری زبان سے نکلا اللہ تمھیں اور ہدایت دے اور تمہاری مدد فرمائے۔ اس کی زبان سے بھی پُرسوز آواز میں آمین نکلا اور آنسو بہنے لگے۔

حکیم محمد سعید

غصّہ

غارت گر حیات

غصہ غارت گر حیات ہے۔ ہمیں بتایا گیا ہے کہ غصہ آ جائے تو کھڑے ہو تو بیٹھ جاؤ، بیٹھے ہو تو لیٹ جاؤ اور اگر پھر بھی ٹھنڈا نہ ہو تو پانی پی لو۔

یوگا کے ماہرین کے مطابق کرودھ (غصہ) اور لوبھ (لالچ) سے جیون شکتی (قوتِ حیات) بجسم ہو جاتی ہے۔ بڑی بوڑھیا دودھ پلاتی ماؤں کو غصے اور غم کی حالت میں بچے کو اپنا دودھ پلانے سے منع کرتی ہیں۔ کیوں کہ اس سے بچے کی زندگی خطرے میں رہتی ہے۔

ڈیوک یونی ورسٹی (امریکہ) کے ایک سائنس داں ڈاکٹر ریڈ فورڈ بی۔ ولیمز کے مُطابق اور بغض اور کینہ رکھنے والے افراد جلد مر جاتے ہیں۔ اس سے انسانی قلب کو وہی نقصان پہنچتا ہے جو تمباکو نوشی اور ہائی بلڈ پریشر سے پہنچتا ہے۔ امریکی ہارٹ ایسوسی ایشن کی جانب سے سائنسی مصنفین کے سیمینار میں تقریر کرتے ہوئے انھوں نے بتایا کہ بہت سے لوگ وقت سے پہلے محض بُغض اور کینے جیسے جذبات کی شدّت سے چل بستے ہیں۔ غصہ اور بُغض قلبی دوروں کے اہم اسباب میں سے ایک ہے۔ اسی طرح حرص و طمع میں مبتلا بے چین و بے صبر افراد بھی حد سے زیادہ بڑھی ہوئی تمناؤں اور آرزوؤں کے ہاتھوں اپنی شمع زندگی کو گل کر لیتے ہیں۔

ان کے برخلاف جو لوگ اپنے اعصاب کو قابو میں رکھتے ہیں اور ان کے مزاج میں، برداشت شگفتگی، قناعت اور صبر و شکر کا مادہ ہوتا ہے۔ وہ زندگی کے حالات کا مقابلہ بہتر طور پر کرتے ہیں۔

غصہ غارت گر حیات

ماہرین نے غصیلے اعصاب زدہ، بے چین اور ضرورت سے زیادہ آرزومند افراد کو زمرۂ الف اور بردبار، حلیم اور صابر و شاکر لوگوں کو زمرہ ب میں تقسیم کیا ہے، وہ اب اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ زمرۂ الف سے تعلق رکھنے والے افراد بالعموم امراض قلب کی زد میں رہتے ہیں، اور انھیں کولیسٹرول کی زیادتی، سگرٹ نوشی اور بیش طنابی (ہائی بلڈ پریشر) ہی کی طرح دورہ قلب کا خطرہ لاحق رہتا ہے۔

ڈاکٹر ولیمز کے خیال میں امریکہ کی نصف آبادی کا تعلق زمرہ الف سے ہے۔ اس قسم کے لوگوں کو جو خطرات لاحق ہیں ان کا تدارک نفسیاتی تدابیر سے زیادہ ممکن اور آسان ہوگا۔

شمالی کیرولینا کی ڈیوک یونی ورسٹی کے ۲۲۵ ماہرینِ طب نے ۲۵ سال قبل میڈیکل کے طلبہ کی حیثیت سے میڈیکل ٹیسٹ لیے تھے۔ انھوں نے دریافت کیا کہ بغض وعناد رکھنے والے افراد میں سے تین فی صد کی موت واقع ہوئی۔ یہ وہ لوگ تھے جن میں یہ جذبہ اوروں کے مقابلے میں پچاس فیصد کم تھا، جب کہ دیگر اسباب کے علاوہ شدید جذبات رکھنے والوں میں موت کی شرح ۱۵ فیصد رکارڈ کی گئی۔

اس یونیورسٹی کے میڈیکل سنٹر میں ہونے والی سات سالہ تحقیق کے مطابق بغض اور کینہ رکھنے والوں کی موت شریانوں کی خرابیوں کی وجہ سے واقع ہوئی۔ ان میں موت کے دیگر اسباب شامل نہیں ہیں۔

اگرچہ ڈاکٹر ولیمز بغض اور کینے کی وجہ سے ہلاکتوں کی بالکل ٹھیک شرح کے تعین سے قاصر ہیں۔ تاہم ان کے مطابق اس میں دوسرے لوگوں پر عدم اعتماد، غصہ معمولی باتوں پر برافروختہ ہونا اور بات بات پر ناک بھوں چڑھانا جیسی عادات کا بڑا دخل ہے۔ ایسے لوگ جب بھی ان کیفیات میں مبتلا ہوتے ہیں ان کے امراضِ قلب میں مبتلا ہونے کے امکانات بھی بڑھ جاتے ہیں۔ ان میں ہارمونی توازن تیزی سے بگڑنے لگتا ہے، جب کہ گروپ ب سے تعلق رکھنے والے افراد میں یہ بات نہیں ہوتی۔ مزید تحقیق اور قطعی نتائج کی نشان دہی تک ماہرین کا مشورہ یہی ہے کہ امراضِ قلب سے بچاؤ کی دیگر تدابیر کے ساتھ خود کو کینے، بغض، دشمنی اور غصے جیسی منفی اور مضر عادات سے دور رکھا جائے۔

❀❀❀

51-A, 3rd Floor, Johri Farm, Jamia Nagar,
New Delhi -110025 (India)
Telefax: 91-11-26315028 e-mail: zikra@israonweb.com
RNI No. DELURD/2004/12616
Postal Regn. No. DL(S)-17/3043/2004